مجموعہ

فضائلِ اعمال

کے

دفاع کا علمی و تحقیقی جائزہ

تحریرِ اول

مولانا محمد الاعظمی
سابق شیخ الجامعۃ العالیۃ العربیۃ، مئو

تحریرِ ثانی

مولانا مجیب الغفار اسعد اعظمی
شیخ الحدیث جامعہ مظہر العلوم بنارس



مکتبۃ الفہیم مئوناتھ بھنجن یوپی

مجموعہ

"فضائل اعمال"

کے

دفاع کا علمی و تحقیقی جائزہ

تحریر اول

مولانا محمد الاعظمی

سابق شیخ الجامعہ العالیۃ العربیۃ مئو

تحریر ثانی

مولانا مجیب الغفار اسعد اعظمی

شیخ الحدیث جامعہ مظہر العلوم بنارس

مکتبۃ الفہیم مئو ناتھ بھنجن یوپی

نام کتاب: مجموعہ "فضائل اعمال" کے دفاع کا علمی و تحقیقی جائزہ

تالیف: مولانا محمد الاعظمی، مولانا مجیب الغفار اسعد اعظمی

سن اشاعت: اگست 2006ء

تعداد اشاعت: ایک ہزار ایک سو

طابع و ناشر: مکتبۃ الفہیم مئوناتھ بھنجن یوپی

صفحات: 64

قیمت: -/26 روپے

باھتمام

شفیق الرحمن، عزیز الرحمن

مکتبۃ الفہیم مئوناتھ بھنجن یوپی

Maktaba Al- Faheem

1st Floor Raihan Market Dhobia Imli Road

Sadar Chowk Mau Nath Bhanjan(U.P)

Ph 0547- 2222013 Mob 9336010224(R) 2520197

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

انسان کی ہدایت وضلالت کا ابدی پیمانہ جناب رسالت مآب ﷺ کی زبان وحی ترجمان نے دوٹوک الفاظ میں بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے: "**ترکت فیکم أمرین، کتاب اللہ و سنتي، لن تضلو ما تمسکتم بھما**" یعنی کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے تمسک انسان کی ہدایت، اوران دونوں سے انحراف یاان کے ساتھ کسی اور چیز کی شمولیت اس کی ضلالت ہے، یہ فرمان رسول واضح اور قطعی دلیل ہے کہ کتاب وسنت کے علاوہ ہدایت وضلالت کے جتنے پیمانے اور طریقے ہیں وہ باطل ہیں۔

امت اسلامیہ میں آئے دن لوگوں کی ہدایت و اصلاح اور تبلیغ دین کے لئے جو تحریکیں اور جماعتیں ابھرتی رہتی ہیں اوراپنا سکہ چلانے کے لئے ہمہ تن سرگرداں رہتی ہیں، وہ سب ہی اپنی حقانیت اور ہدایت سے اتصاف کا دعویٰ کرتی ہیں، لیکن اس دعویٰ کی صحت و صداقت کا فیصلہ ہادی اعظم نبی خاتم محمد رسول اللہ ﷺ کے مقررہ اساسی پیمانے "کتاب و سنت" ہی سے ہوگا، اس کے لئے اہل حق ہمیشہ سرگرم عمل رہتے ہیں، جوحق وناحق اور ہدایت و ضلالت کے ہر پہلو کواسی اساسی کسوٹی پر پرکھ کرکھرے اورکھوٹے کوممتاز کرتے ہیں، اور تحقیق کے بعد کسی قسم کی ملاوٹ کی مقدار بھی واضح کردیتے ہیں۔

موجودہ اسلامی تحریکوں اور جماعتوں میں ایک عوامی جماعت "تبلیغی جماعت" کے نام سے مشہور ہے، اس کے منہج، طریقہ کار، عقائد وافکار بالخصوص اس کی کتاب "تبلیغی نصاب" (فضائل اعمال) پرتقریباً اکثر مسلک کے حقیقت پسند اورحق شناس علماءومفکرین اسلام نے نقد وجرح کیا ہے، اور منہج کتاب وسنت پر چلنے اورعمل کرنے کی ناصحانہ تاکید کی ہے، لیکن اس جماعت کے عوامی بھیڑ میں مخلصین اور مصلحین کی اصلاحی آوازصدابصحرا ہوکررہ جاتی ہے، بلکہ فتنہ سے تعبیر کی جاتی ہے، جیسا کہ ہم نے اپنی کتاب "تبلیغی جماعت اورالاخوان المسلمون"

کے آخر میں اس کے بعد شواہد اکابر علماء کے حوالے سے نقل کئے ہیں۔

حیرتناک اور افسوسناک امر یہ ہے کہ تبلیغی جماعت کا سارا اسلام ''تبلیغی نصاب'' (فضائل اعمال) میں منحصر ہے، اس کے نزدیک یہی اصل کتاب ہدایت ہے، مساجد اور مجالس میں اس کی قراءت و سماعت ہی جماعت کا مکمل نصاب ہے، اس سے تجاوز کر کے یا اس کے بدلے درس قرآن دینا فتنہ انگیزی قرار دیا جاتا ہے، ظاہر ہے کہ یہ طریقۂ تبلیغ اور منہج ہدایت، کتاب وسنت سے بغاوت کے مترادف ہے، خصوصاً اس صورت میں کہ کتاب ''فضائل اعمال'' میں ضعیف، واہی اور موضوع احادیث وروایات کی خاصی تعداد ہے، جو محدثین اور اہل تحقیق کے نزدیک یقینی طور پر غیر معتبر اور ناقابل عمل ہیں، بلکہ ان کو بیان کرنا بھی درست نہیں ہے، اسی طرح اس میں بزرگوں کے قصص و حکایات، منامات اور غیر شرعی اذکار و اوراد حتی کہ مؤلف کے خود ساختہ کلمات دعائیہ اور الفاظ درود وسلام وغیرہ قبوریوں کے عقیدہ ومنہج کے عین مطابق ہیں۔

مؤلف فضائل اعمال کی حیات میں ان کے بعض مخلصین نے اس قسم کی چند روایتوں اور کہانیوں کو میزان صحت پر تول کر ان کو کتاب سے خارج کر دینے کی درخواست کی تھی، لیکن مؤلف نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ اس ناکارہ کو ان کے خارج کرنے کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔

مؤلف رحمہ اللہ اب اس دنیا میں نہیں رہے، لیکن اپنی کتاب ''تبلیغی نصاب'' (فضائل اعمال) پر اعتراض وجواب کا لامتناہی سلسلہ جاری کر گئے، موصوف ایک محدث کی حیثیت سے جانے جاتے تھے، اور حدیث میں ان کی خدمات بھی ہیں، ان کی شان کا تقاضا تھا کہ معترضین و ناقدین کی منتقد روایات کو فن حدیث کے اصول پر پرکھ کر ان کی صحت وصداقت کو ثابت کرتے اور ان کو کتاب سے خارج نہ کرنے کی وجہ واضح کر کے معترضین کو مطمئن کرتے، لیکن ایسا کچھ نہ کر کے اعتراض وانتقاد کو جوں کا توں باقی چھوڑ گئے، اس کا نتیجہ ظاہر ہے کہ اس کتاب کے ذریعہ لوگوں میں جو غلط پیغام جا رہا ہے وہ ہدایت کی نوع سے خارج ہے،

ایک سال پہلے ایک کتابچہ ''فضائل اعمال پر اعتراضات، ایک اصولی جائزہ'' مؤلفہ مولانا عبداللہ معروفی، ہماری نظر سے گذرا، اس میں معروفی صاحب نے فضائل اعمال پر علمائے حق

کے اعتراضات کا جواب دینے کی کوشش کی ہے، ہمیں اس پوتھی میں الزامی جواب کی سطح سے اوپر کی کوئی علمی وتحقیقی چیز نہیں ملی۔

بعض عزیزوں کی خواہش وطلب پر ہم نے اس کتابچہ کا مختصر سرسری جوب لکھ کران کے حوالے کردیا، جو ماہنامہ ''التبیان'' نئی دہلی کے دوشماروں (جلد نمبر۲، شمارہ ۱۲/۱۳ اپریل، مئی ۲۰۰۶ء) میں قسط وار شائع ہو چکا ہے، ہم نے مذکورہ کتابچہ کے اس حصے کا جواب قلم انداز کردیا ہے جس میں صحیح بخاری کی بعض حدیثوں کو ضعیف قرار دینے کی تلبیسانہ کوشش کی گئی ہے، کیونکہ محترم مولانا مجیب الغفار اسعد اعظمی (زاده الله علماً و فضلاً) شیخ الحدیث جامعہ مظہر العلوم بنارس اس کا محققانہ ومحدثانہ انداز میں مدلل جواب شائع کر چکے تھے، ملاحظہ ہو''ترجمان الاسلام'' بنارس، شمارہ جنوری تا جون ۲۰۰۵ء۔

مکتبہ الفہیم مئو نے جو علمی اور تحقیقی کتابوں کی معیاری اشاعت کا مرکز ہے، معروفی صاحب کے مذکورہ کتابچہ کے جواب میں ہماری تحریر بنام ''فضائل اعمال پر اعتراض و جواب کا سرسری جائزہ'' کے ساتھ مولانا مجیب الغفار اسعد اعظمی کا مقالہ بنام ''صحیح بخاری کا مقام بلند اور اس کی بعض حدیثوں کی تضعیف کی سعی مذموم'' شامل کر کے کتابی شکل میں شائع کرنے کا اہتمام کیا ہے، جو اس کے علمی، فکری اور عملی ذوق سلیم کا مظہر ہے، ہم اس کے شکر گذار ہیں کہ جواب نویسی کے لئے اس نے حسب مقدور بعض مصادر ومراجع فراہم کرنے اور دیگر سہولیات بہم پہنچانے کی لائق قدر خدمت انجام دی ہے، اللہ تعالیٰ مزید توفیق خیر بخشے، امید ہے کہ اس علمی مجموعہ کے مطالعہ سے تحقیق حق کے طالبین وشائقین شادکام ہوں گے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حق کی طلب وتحقیق کا جذبہ صادق عطا فرمائے، اور اس صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق دے جو کتاب وسنت میں بتائی گئی ہے، إنه ولی التوفیق.

خادم العلم

محمد اعظمی

۲۲/جون ۲۰۰۵ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دفاعِ فضائل اعمال پر اعتراض ایک [illegible]

فضائل اعمال مصنفہ مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمہ اللہ پر اعتراضات وتنقیدات اور ان کے جواب کا لامتناہی سلسلہ آں مصنف کی حیات ہی سے چلا آ رہا ہے، کبھی جرائد ومجلّات کے صفحات پر اور کبھی رسالوں وکتابچوں کی شکل میں یہ سلسلہ برابر منظرِ عام پر آتا رہتا ہے۔ حال میں ایک کتابچہ بنام ’’فضائل اعمال پر اعتراضات، ایک اصولی جائزہ‘‘ شائع ہوا ہے۔ اس کے مؤلف مولانا عبداللہ معروفی استاذ تخصص فی الحدیث دارالعلوم دیوبند ہیں۔ انہوں نے اعتراضات کے جواب کیلئے ایک انوکھی کوشش کی ہے۔

موصوف مؤلف نے فضائل اعمال پر اعتراضات کی تین قسمیں بیان کی ہیں۔ اور پہلی قسم کا جواب اس لئے نظر انداز کر دیا ہے کہ ان کے بقول وہ اعتراضات ہم مسلک لوگوں کی جانب سے کئے گئے تھے اور معمولی وضاحت سے ان کا ذہن صاف ہوگیا، باقی دو قسموں کے اعتراضات ایسے لوگوں کی جانب، سے کئے گئے ہیں جو مؤلف کے ہم مسلک نہیں ہیں، انہیں کے جواب کے لئے معروفی صاحب نے اس کتابچہ میں اپنے تخصص فی الحدیث کا سارا زور صرف کیا ہے۔ اور اپنے جواب کو تین نکتوں پر تقسیم کیا ہے، (ایک اصولی جائزہ ص:۱۶ او۲۱)

مولانا معروفی نے دوسری قسم کے معترضین جو غیر مسلک والے ہیں کو عقلیت پسند، نام نہاد عقل سلیم اور عقل نارسا سے تعبیر کر کے ان پر یہ الزام عائد کیا ہے کہ ’’یہ لوگ تمام ہی نصوص حدیث کو قرآن کے معارض قرار دے کر ٹھکرا دینے کے قائل ہیں‘‘ (ایضاً)

معترضین پر یہ دونوں ریمارکس (عقلیت پسند وغیرہ اور انکار حدیث) حقیقت وواقعیت کے خلاف اور رجماً بالغیب ہیں، اولاً اس لئے کہ فضائل اعمال کے تعلق سے معترضین وناقدین کی صف میں صرف غیر مسلک والے نہیں ہیں، بلکہ ہم مسلک کبار علماء کی ایک تعداد بھی ہے۔ ملاحظہ ہو (۱) مولانا اشرف علی تھانوی کے ممتاز ترین خلیفہ مولانا سید حامد حسین کی کتاب ’’

صدر تبلیغی جماعت کو تبرے اور مناظرے کا شوق'' (۲) مولانا محمد الیاس صاحب کے برادر نسبتی، معتمد خصوصی اور خلیفۂ اول کی کتاب ''زندگی کی صراط مستقیم'' (۳) مولانا مفتی عبدالقدوس رومی کا ''اہم فتویٰ'' ترجمان دارالعلوم دہلی، شمارہ جنوری ۱۹۹۹ء، اور مولانا اخلاق حسین قاسمی کا ''مراسلہ'' ترجمان...... مارچ ۱۹۹۹ء وغیرہ وغیرہ۔

ثانیاً: یہ کہ تمام نصوص حدیث کو معارض قرآن قرار دے کر ٹھکرانے والے اہل قرآن (منکرین حدیث) ہیں۔ فضائل اعمال کے ناقدین میں سے ہمارے علم کے مطابق کوئی بھی اس فرقہ سے تعلق نہیں رکھتا ہے، اور نہ ہی مؤلف فضائل اعمال سے مسلکی اختلاف رکھنے والوں میں کوئی ایسا جری ہے جس نے تمام نصوص حدیث کا ردوانکار کیا ہے۔ اس لئے معروفی صاحب کا قول محض افتراء اور بہتان ہی بہتان ہے۔

دوسری قسم کے ان نقادین کے نقد کی دو مثالیں معروفی صاحب نے بیان کی ہیں۔ پہلی مثال پر کوئی مثبت یا منفی بحث بے سود ہے۔ کیونکہ اس کا تعلق فضائل اعمال سے ہے۔ نہ ترغیب وترہیب سے، رہی دوسری مثال، جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دعا کے جواز پر استدلال کیا ہے وہ یہ ہے:

''عن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لما أذنب آدم ...... فقال اسألك بحق محمد ألا غفرت لي الخ''

اس حدیث کے بارے میں مولانا معروفی نے لکھا ہے: ''فضائل ذکر میں متعدد کتب حدیث کے حوالہ اور کئی ایک متابعات وشواہد کے ساتھ درج ہے، جس سے مسئلۂ توسل بخوبی ثابت ہوتا ہے۔'' (اصولی جائزہ ص:۲۱)

ہم اس پر کچھ کلام کرنے سے پہلے حدیث مذکور کے حوالے وغیرہ سے متعلق مؤلف فضائل کی پوری عبارت نقل کر کے تجزیہ کرتے ہیں، پھر دیکھتے ہیں کہ انصاف کیا کہتا ہے؟

" أخرجه الطبراني في الصغير والحاكم وابونعيم والبيهقي كلاهما في الدلائل وابن عساكر في الدر ،وفي مجمع الزوائد رواه الطبراني في

الاوسط والصغير و فيه من لم اعرفهم ، قلت و يؤيد الآخر الحديث المشهور "لولاک ماخلقت الافلاک" قال االقاری فی الموضوعات الكبير " موضوع" لكن معناه صحيح و فی التشرف معنا ه ثابت ، ويؤيد الأول ما ورد فی غير رواية من أنه مكتوب علی ا لعرش وأوراق الجنة لا اله الا اللّٰه محمد رسول الله كما بسطه السيوطی فی مناقب اللآلی فی غير موضع و بسط له شواهد ايضاً فی تفسيره فی سورة الم نشرح "(فضائل ذکر ص:۳۹۹)

تجزیہ(۱):۔حدیث مذکور کے پانچ حوالے ذکر کئے گئے ہیں۔طبرانی،حاکم،ابونعیم،بیہقی،ابن عساکر، ان میں سے کسی کی تخریج نہیں کی گئی ہے۔اور نہ کوئی حکم لگایا گیا ہے۔

(۲) ہیثمی نے طبرانی کی روایت پر کلام کیا ہے کہ اس کے رواۃ میں کچھ لوگ مجہول ہیں۔

(۳) مؤلف فضائل کا قول ہے کہ حدیث مذکور کے آخری ٹکڑے (لولاهو ما خلقتک) کی تائید مشہور حدیث" لولاک لما خلقت الافلاک "کررہی ہے۔لیکن ملاعلی قاری نے موضوعات کبیر میں اس کو موضوع کہا ہے اور اس کا معنی صحیح وثابت بتایا ہے۔

(۴) حدیث مذکور کے ابتدائی ٹکڑے (فيه مكتوب لا اله الا اللّٰه الخ) کی مؤید روایت "مكتوب علی ا لعرش واوراق الجنة لا اله الا اللّٰه الخ" ہے۔اس روایت کو سیوطی نے مناقب اللآلی میں متعدد مقامات پر ذکر کیا ہے۔اور سورہ الم نشرح کی تفسیر میں اس کے کئی اور شواہد بھی بیان کئے ہیں۔

مؤلف فضائل اعمال کی عبارت کے تجزیہ سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ حدیث مذکور متعدد کتب حدیث میں مذکور ہونے کے باوجود غیر ثابت وغیر معتبر ہے، بلکہ ملاعلی قاری کا منقول قول اس بات پر دلیل صریح ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے۔ہیثمی کا قول بھی اسی طرف اشارہ کررہا ہے۔بالخصوص توسل بالنبی کیلئے مابہ الاستدلال جزء "اللّٰهم اسألک بحق محمد "پر مؤلف رحمہ اللہ کا مکمل سکوت اس امر پر دلیل ہے کہ اس کے کسی شاہد ومؤید کا دور دور تک پتہ نہیں ہے۔

رہا مؤلف کا یہ قول کہ سیوطی نے حدیث کے ابتدائی جزء کے شواہد الم نشرح کی تفسیر میں تفصیل سے بیان کئے ہیں۔ یہ محل نظر ہے۔ کیونکہ سیوطی نے تفسیر میں جتنی روایات ذکر کی ہیں ، کسی میں "فیه مکتوب" یا "مکتوب علی العرش و أوراق الجنة" کا کوئی ذکر ہی نہیں ہے۔اس لئے یہ صورت حال ان روایات کے شواہد و مؤیدات ہونے پر سوالیہ نشان ہے۔

مؤلف فضائل نے حدیث کے آخری ٹکڑے "لو لاہ ما خلقتک" کی تائید میں مشہور روایت "لو لاک لما خلقت الافلاک" کو پیش کیا ہے جو باتفاق محدثین موضوع ہے۔ چنانچہ خود مؤلف رحمہ اللہ نے ملا علی قاری کا قول نقل کیا ہے کہ "موضوع"۔اسی طرح ابن جوزی، سیوطی فی اللآلی ۲/۲۷۲،اور صغانی فی الاحادیث الموضوعة ص:۷ نے صراحت کی ہے کہ" انه موضوع "پس جب اس حدیث کا موضوع ہونا ثابت ہے تو یہ کسی روایت کی مؤید یا شاہد کس طرح ہوسکتی ہے؟ ملا علی قاری کا یہ کہنا کہ اس کا معنی صحیح ہے۔اس بات پر موقوف ہے کہ دوسری نص سے اس کا ثبوت موجود ہو، ورنہ "من کذب علی متعمداً "الحدیث، کا مصداق ہے۔

ہمیں بے پناہ حیرت ہو رہی ہے کہ مؤلف فضائل رحمہ اللہ حدیث مذکور کے بارے میں اپنے ہم مسلک ملا علی قاری کا قول "موضوع" بغیر کسی نقد و جرح کے نقل کر رہے ہیں۔اور جب کوئی ناقد اس کے موضوع ہونے کی بات کرتا ہے تو موصوف جواب میں فرماتے ہیں "مجھے ابھی تک اس حدیث کا موضوع ہونا نہیں ملا۔ جب کہ ماہرین فن کی ایک ٹیم اس کے موضوع ہونے کا اعلان کر رہی ہے۔ یہ تو حقیقت قبول نہ کرنے کی ضد ہے۔

ان تمہیدی کلمات کے بعد ہم ان تین نکتوں کی طرف چلتے ہیں جنہیں مولانا معروفی نے فضائل اعمال پر اعتراضات کا جواب دینے کیلئے تجویز کیا ہے۔

پہلا نکتہ

مجموعہ فضائل اعمال کی معتبریت اس کے مصادر و مآخذ کے آئینہ میں، (اصولی جائزہ ص:۲۲)

اس نکتے میں مجموعہ فضائل اعمال کے معتبر و مستند ہونے کی دلیل یہ بیان کی گئی ہے کہ مؤلف نے اس مجموعہ کی تدوین میں سیکڑوں مصادر و مآخذ سے استفادہ کیا ہے۔ ان میں علاوہ چند ایک کے سب بجائے خود قابل اعتماد اور اہل علم کے درمیان مقبول و مستند قرار دی جاتی رہی ہیں۔ اور جو مآخذ غیر مستند ہیں ان سے فضائل اعمال کی معتبریت متاثر نہیں ہوتی۔ (ص:۱۷)

مطلب یہ کہ فضائل اعمال کے مصادر و مآخذ معتبر و مستند ہیں اور جو غیر مستند ہیں وہ بھی معتبر کے درجہ میں ہیں، اس لئے فضائل اعمال میں تمام مندرجات مستند و معتبر ہیں۔ یہ طفلانہ منطق علم و فن سے ناآشنا شخص کا نمونہ ہی کہی جاسکتی ہے۔ اگر احادیث و روایات کے اعتبار و استناد کا یہی معیار ہے تو محدثین کی ساری کاوشیں جو صحیح و غیر صحیح کی جانچ پڑتال کیلئے ضخیم دفتروں اور عظیم ذخیروں کی شکل میں موجود ہیں۔ وہ سب کی سب عبث اور لاحاصل قرار پائیں گی۔ اور کسی روایت کا اعتبار کرنے کیلئے یہی کافی ہوگا کہ یہ فلاں کتاب میں مذکور ہے۔ نیز علمائے امت کا یہ اصول بھی باطل ہوجائے گا کہ کتاب اللہ اور صحیحین کے علاوہ کتابوں میں مذکورات کی تحقیق اور جانچ پرکھ کے بعد ہی ان کے معتبر ہونے کا فیصلہ کیا جائے گا۔ معروفی صاحب کا یہ نکتہ یا طفلانہ منطق بول رہی ہے کہ: ع

ہم پیروی قیس نہ فرہاد کریں گے ہم طرز جنوں اور ہی ایجاد کریں گے

معروفی صاحب نے ایک طرف ساری کتابوں پر اعتبار کا حکم لگایا، اور دوسری طرف صحیحین پر اپنے عمل جراحی کی مشق کرتے ہوئے ان کی بعض حدیثوں کو ضعیف قرار دے کر ان کی تمام ہی احادیث کو تشکیک کے نشانہ پر لگادیا، جب کہ ان دونوں کتابوں میں مذکورہ تمام حدیثوں کی صحت پر اجماع امت قائم ہے۔ اللہ تعالیٰ مولانا مجیب الغفار اسعد اعظمی حفظہ اللہ کو جزائے خیر عطا کرے کہ انہوں نے معروفی صاحب کے بخاری شریف پر حملے کا محققانہ دفاع

کرتے ہوئے ان کی علمی خیانت کا پردہ بھی فاش کیا ہے۔ ملاحظہ ہو ''ترجمان الاسلام'' بنارس، شمارہ جنوری تا جون ۵ء

معروفی صاحب نے معتبر مصادر کا حال اس پہلے نکتہ میں یہ دکھایا ہے کہ ''مؤلف فضائل اعمال احادیث کے انتخاب میں عموماً جن کتابوں پر اعتماد فرماتے ہیں ان میں سرفہرست **الترغیب والترھیب للمنذری** ہے۔ سب سے زیادہ حدیثیں اسی کتاب سے شیخ نے لی ہیں۔ اس لئے فضائل اعمال کی کسی ایسی حدیث پر تنقید جو ترغیب منذری سے ماخوذ ہو در حقیقت حافظ منذری رحمہ اللہ پر تنقید ہوگی'' (ص:۲۴)

عبارت مذکورہ صاف بول رہی ہے کہ فضائل اعمال میں ترغیب منذری کی کسی حدیث پر تنقید جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ تنقید حافظ منذری پر چسپاں ہوگی جو معصوم ہیں، العیاذ باللہ۔ دوسری طرف ترغیب وترہیب منذری کا حال خود معروفی صاحب کی زبانی سنئے، فرماتے ہیں: ''ترغیب وترہیب میں مصنف نے تیس امہات کتب حدیث سے انتخاب کیا ہے۔ جس میں صحیح، حسن، ضعیف، واہی ہر طرح کی حدیثیں جمع کی ہیں۔ بعض حدیثوں پر بعض حضرات نے وضع کا بھی حکم لگایا ہے'' (ص:۲۵)

اس پر ہمیں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ جب اولین و معتمد ترین ماخذ ترغیب منذری کا یہ حال ہے تو دیگر ماخذ کا کیا حال ہوگا؟ اور ان سے منتخب مجموعہ فضائل اعمال کتنا معتبر و مستند ہوگا؟ اور اس کی حدیثوں پر اعتراض کرنیوالے کس حد تک مجرم ہیں؟ جب کہ معروفی صاحب بھی وہی بات کہہ رہے ہیں جو معترضین و ناقدین پیش کر رہے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

''حضرت شیخ رحمہ اللہ آیات واحادیث کی تشریح کے ذیل میں بکثرت ایسی کتابوں کے حوالے سے احادیث وآثار نقل کرتے ہیں جن کی استنادی حیثیت کمزور ہے، اور ان میں موضوعات کی کثرت ہے۔ نیز وہ حدیثیں دوسری مستند کتب حدیث میں نہیں ملتیں۔ مثلاً **تنبیہ الغافلین، قرۃ العیون، احیاء العلوم، المنبہات**، ان تمام میں موضوعات کی کثرت ہے'' (ص:۲۸)

اس کے بعد ''مؤیدات وشواہد کا اہتمام'' کے عنوان سے لکھتے ہیں:

’’روایت میں اگر ضعف ہوتا ہے تو کئی ایک مصادر کو کھنگال کر اس کے شواہد اور مؤیدات جمع کرنے کی کوشش کرتے ہیں جن کی مجموعی حیثیت اس مضمون کو وزنی بنادیتی ہے۔ مثلاً

’’رُوی أنه علیه الصلوٰة والسلام قال : من ترک الصلاة حتی مضیٰ وقتها ، ثم قضیٰ ، عذب فی النار حقباً ، والحقب ثمانون سنة ، والسنة ثلاث مائة وستون یوماً ، کل یوم کان مقداره خمسین الف سنة ، کذا فی مجالس الابرار

قلت : لم أجده فیما عندی من کتب الحدیث ، الا أن مجالس الابرار مدحه شیخ مشائخنا الشاه عبدالعزیز الدهلوی

ہم نے (معروفی نے) اس مثال کو اس لئے اختیار کیا ہے کہ خاص طور سے ناقدین کے نشانہ پر رہی ہے۔ حضرت شیخ کی زندگی میں اور ان کے بعد بھی خوب اعتراضات ہوئے، اس کو نقل کرنے کے بعد شیخ نے خود لکھا کہ مجالس الابرار میں ایسے ہی ہے۔ مجھے اپنے پاس موجودہ کتب میں نہیں ملی‘‘ (ص:۲۹۔۳۰)

مؤلف فضائل نے حدیث مذکور کو ایک مجہول کتاب ’’مجالس الابرار‘‘ کے حوالے سے نقل کر کے صاف صاف اعتراف کیا ہے کہ مجھے اپنے پاس موجودہ کتب حدیث میں یہ حدیث نہیں ملی۔ غور طلب امر یہ ہے کہ غیر مسند حدیث جس کے کسی مصدر و ماخذ کا پتہ بھی نہ ہو کیا اس کو بیان کرنا درست ہے؟ اس کو حدیث کہنا بھی محل نظر ہے، اور بقول مولانا عبدالحی لکھنوی وہ حدیث مردود ہے، چنانچہ لکھتے ہیں:

’’فمن جاء الیوم بحدیث لا یوجد عند جمیعهم فهو مردود علیه‘‘ (ظفر الأمانی ص:۵۰۰)

آج جو کوئی ایسی حدیث بیان کرے جو ائمۂ حدیث کی کتابوں میں موجود نہ ہو تو وہ حدیث مردود ہے، اس کو بیان کرنے والے کے منہ پر ماردینا چاہئے۔ لیکن ضد و ہٹ دھرمی کی انتہاء تو یہ ہے کہ بقول معروفی صاحب ’’جب بعض حضرات نے شیخ کو اس کے خارج کرنے کا مشورہ دیا تو شیخ نے جواب دیا کہ: ’’ابھی تک اس ناکارہ کی سمجھ میں اس حدیث کے نکالنے کی وجہ

سمجھ میں نہیں آئی'' (ص:۳۰)

فضائل اعمال میں حدیث مذکور کے تحت ابن عباس اور سعد بن ابی وقاص سے منقولہ آثار کو مولانا معروفی نے شیخ کے دفاع میں حدیث مذکور کے شواہد قرار دے کر اس کو لائق اعتبار بنانے کی کوشش کی ہے، حالانکہ اصول حدیث کا ادنیٰ طالب علم بھی جانتا ہے کہ بے اصل حدیث کسی شاہد سے باوزن نہیں ہوتی ہے۔ دوسرے یہ کہ مذکورہ آثار اس حدیث کے شواہد ہو ہی نہیں سکتے کیونکہ حدیث اور آثار میں کوئی معنوی مشارکت ہی نہیں ہے۔ حدیث مذکور میں وعید زمانی کا ذکر ہے۔ اور آثار مذکورہ میں صرف وعید مکانی کی صراحت ہے۔ رہا نفس وعید کی مشارکت کا معاملہ تو اس کے لئے آیات اور احادیث صحیحہ کافی ہیں۔

دوسرا نکتہ

اس نکتے میں معروفی صاحب نے احادیث ضعیفہ سے استدلال اور ان پر عمل سے متعلق جو کچھ لکھا ہے وہ ان کی اپنی تحقیق اور اپنے علم وفقہ کا ثمرہ نہیں ہے۔ بلکہ مولانا عبدالحی لکھنوی کی'' ظفر الامانی ''اور'' الرفع والتنکیل ''اور ان پر شیخ عبدالفتاح ابوغدہ کی تعلیقات کی رہین منت ہے۔ بالخصوص صحیح بخاری پر جو دست درازی کی ہے اس کا سہرا شیخ ابوغدہ کے سر ہے۔ ہمیں افسوس ہے کہ معروفی صاحب نے مراجع ومصادر سے نقل عبارات میں دیانت وانصاف کا دامن چھوڑ دیا ہے۔ صرف انہیں چیزوں کو ذکر کیا ہے جو ان کی ہم مطلب ہیں، جیسا کہ اس کے کچھ نمونے آگے آرہے ہیں۔ دوسرے یہ کہ موصوف ضعیف حدیث کی حجیت کے سلسلے میں اپنی تضاد بیانی کا احساس بھی کھو بیٹھے ہیں، چنانچہ لکھتے ہیں:

''جمہور کا خیال ہے کہ احکام یعنی حلال وحرام کے باب میں تو ضعیف کو حجت نہیں بنایا جاسکتا ہے'' (ص:۳۲)

پھر دوسرے صفحہ پر بالکل اس کے برعکس فرماتے ہیں:

''جمہور محدثین وفقہاء کے طرز عمل سے صاف ظاہر ہے کہ ضعیف سے حکم شرعی پر

استدلال کیا جا سکتا ہے''(ص:۳۳)

ان دونوں متضاد بیانات کے بعد معروفی صاحب نے واضح فرمایا ہے کہ مذہب جمہور کے خلاف ان کے طرز عمل کو ضعیف حدیث سے اثبات احکام کیلئے دلیل اساسی کی حیثیت حاصل ہے۔ لگتا ہے کہ تخصص فی الحدیث کے شعبہ نے کوئی نیا قانون پاس کیا ہے کہ باب احکام میں طرز عمل بھی بنیادی دلیل یا اصول حدیث میں سے ایک اصل ہے۔ اس نئے قانون کے تحت مختلف مکاتب فکر کے نمونے پیش کئے ہیں: سب سے پہلے حنفیہ کے عنوان سے لکھا ہے: امام ابوحنیفہ کا ارشاد ہے: ''**الخبر الضعیف عن رسول الله ﷺ اولیٰ من القیاس ولا یحل القیاس مع وجوده** (المحلی لابن حزم ۱۶۱/۳)

یہ معلوم نہ ہوسکا کہ المحلی کے کس ایڈیشن سے اس کو نقل کیا گیا ہے۔ اس لئے اصل مسئلہ واضح نہیں ہو رہا ہے۔ بہر حال محلی کا حوالہ روشن دلیل ہے کہ موصوف کے مذہب کی کتابیں ایسا کوئی ثبوت پیش کرنے سے قاصر ہیں'' کجا حنفیہ اور کجا ظاہریہ'' ابن حزم سے استمداد کی کھلی وجہ یہ ہے کہ کتب فقہ حنفی میں صریح طور پر یہ مذکور ہے کہ'' **قد صح عن الامام ابی حنیفة، اذا صح الحدیث فهو مذهبی** '' امام صاحب کا یہ صحیح قول المحلی سے منقول قول کے صریحاً معارض ومنافی ہے۔ اور معروفی صاحب کے خلافِ مدعا اس بات پر حجت ہے کہ ضعیف حدیث امام صاحب کا مذہب نہیں ہے۔

مالکیہ کے تعلق سے لکھا ہے:

''امام مالک کے نزدیک مرسل بمعنی عام یعنی منقطع حجت ہے۔ جو جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف ہے''(ص:۳۴)

معروفی صاحب اس فن میں ماہر معلوم ہوتے ہیں کہ ادھوری بات ذکر کرتے ہیں۔ جو ان کے مفید مطلب ہوتی ہے۔ اور اصل مسئلہ کو گول کر کے اصولی جائزہ کی خانہ پری کر دیتے ہیں۔

واضح ہو کہ جمہور محدثین اور ائمہ مذاہب کے نزدیک مرسل حدیث مطلقاً حجت ہے اور نہ مطلقاً مردود ہے۔ بلکہ ائمہ مذاہب نے مرسل کی حجیت کیلئے شروط مقرر کی ہیں۔ حافظ

علائی نے جامع التحصیل ص:۹۲، میں امام ابوبکر رازی کا قول نقل کیا ہے کہ مذہب حنفی میں تابعی اور تبع تابعی کی مرسل روایتیں قابل حجت ہیں، لیکن کب؟ جب مرسل ثقہ ہو اور ثقہ راویوں سے روایت کرنے کا عادی ہو۔"

مالکی مذہب کے ترجمان ابن عبدالبر لکھتے ہیں:

" ان من قال بالمرسل لا يقول به على الاطلاق ، بل شرطه ان يكون المرسل ممن يحترز في الرواية ، أما من كان يكثر الرواية عن الضعفاء عرف من شانه أنه يرسل عن الثقات والضعفاء فلا يقبل لمرسله مطلقاً"

(التمہید ۱/۲،بحوالہ النکت لابن حجر ۲/۵۵۲، ۵۶۸، ۵۶۹)

جو لوگ حجیت مرسل کے قائل ہیں ان کے نزدیک راوی کا محتاط ہونا بنیادی شرط ہے۔ لیکن جو راوی ضعفاء سے بکثرت روایت کرتا ہو تو اس کا یہ حال بتاتا ہے کہ وہ ثقات اور ضعفاء دونوں سے روایت کرتا ہے اس لئے اس کی مرسل روایت مطلقاً قبول نہ ہوگی۔

امام شافعی نے مرسل کی حجیت کیلئے سات شرطیں مقرر کی ہیں۔

ملاحظہ ہو (الرسالہ ص:۴۶۱، ۴۶۵)

امام احمد بن حنبل بھی مشروط طریقہ پر حجیت مرسل کے قائل ہیں، منجملہ شروط دو شرطیں یہ ہیں۔

(۱) مرسل راوی ضعیف اور متروک راوی سے روایت کرنے کا عادی نہ ہو۔

(۲) جب کسی مسئلہ میں مرسل کے علاوہ کوئی اور حدیث دستیاب نہ ہو،

ابن رجب حنبلی نے اپنی شرح علل الترمذی میں متعدد مرسل روایتیں مثال میں پیش کی ہیں۔ جن میں سے کچھ کو امام قابل حجت مانتے ہیں اور کچھ کو نہیں۔

(شرح علل الترمذی ۱/۳۱۰، ۳۱۷)

تنبیہ

مولانا مع ؛فی نے باب احکام میں ضعیف حدیث کی حجیت پر ائمہ کے قول '' الحدیث الضعیف اولیٰ /خیر من القیاس '' سے استدلال کیا ہے اور اس کی چند مثالیں ابن قیم کی اعلام کے حوالے سے پیش کی ہیں۔

حدیث کی حجیت اور رائے قیاس کی مذمت میں امام ابن قیم کا سخت موقف اہل علم سے پوشیدہ نہیں ہے، انہوں نے اعلام میں نصوص کتاب وسنت صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین اور ائمہ مذاہب کے آثار واقوال سے اپنے موقف کو مدلل کیا ہے، اسی ضمن میں ائمہ کرام کا قول ''ضعیف حدیث قیاس سے بہتر ہے یا قیاس پر مقدم ہے'' نقل کر کے تنبیہ کی ہے کہ ائمہ کے قول مذکور میں ضعیف حدیث سے مراد حسن حدیث ہے، کیونکہ اصطلاح سلف میں ضعیف حدیث سے مراد وہ حدیث نہیں ہے جو متاخرین کی اصطلاح میں ضعیف کہی جاتی ہے۔ بلکہ متاخرین جس حدیث کو حسن کہتے ہیں اسے بھی متقدمین ضعیف کہہ دیا کرتے ہیں، اور صحیح کی طرح ضعیف کے بھی مراتب ہیں جن میں بعض مقبول اور بعض متروک ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

''ولیس المراد بالحدیث الضعیف فی اصطلاح السلف هو الضعیف فی اصطلاح المتأخرین بل ما یسمیه المتأخرون حسنا قدیسمیه المتقدمون ضعیفاً'' (اعلام ۱/ ۷۷)

امام ابن تیمیہ سے بھی یہی منقول ہے، جیسا کہ شیخ ابوغدہ نے خصوصی طور پر اس کا تذکرہ کرتے ہوئے منہاج السنۃ سے نقل کیا ہے کہ:

" ومما ینبغی ذکره هنا ما قاله الشیخ ابن تیمیة رحمه الله تعالیٰ فی منهاج السنة النبویة ۲/ ۱۹۱، قولنا ان الحدیث الضعیف خیر من الرأی، لیس المراد به الضعیف المتروک، لکن المراد به الحسن، وکان الحدیث فی اصطلاح من قبل الترمذی، اما صحیحاً واما ضعیفاً والضعیف نوعان:

ضعيف متروك، وضعيف ليس بمتروك،

(تعليق على الرفع والتنكيل لابی غده،ص:۷۵)

ابن قیمؒ نے امام احمد کے نزدیک ضعیف حدیث سے مراد حسن حدیث ہونے کی تصریح کرتے ہوئے لکھا ہے:

" ليس المراد بالضعيف عنده الباطل ولا المنكر ولا ما في روايته متهم بحيث لا يسوغ الذهاب اليه ، فالعمل به ، بل الحديث الضعيف عنده قسيم الصحيح وقسم من أقسام الحسن ، ولم يقسم الحديث الى صحيح و حسن وضعيف ، بل الى صحيح و ضعيف وللضعيف عنده مراتب "(اعلام۱/۳۱)

یعنی امام احمد کے نزدیک ضعیف سے مراد باطل، منکر اور ایسی حدیث نہیں ہے جس میں سخت متہم راوی ہو، بلکہ ان کے نزدیک ضعیف حدیث، صحیح کی قسیم اور حسن کی ایک قسم ہے، کیونکہ انہوں نے حدیث کی تین قسمیں صحیح، حسن، ضعیف نہیں کی ہیں بلکہ صرف دو قسمیں صحیح اور ضعیف کی ہیں۔اور ان کے نزدیک ضعیف کے بھی مراتب ہیں۔

" الحديث الضعيف اولىٰ / خير من الرأى والقياس " یا **"مقدم على القياس "** کے بارے میں اقوال مذکورہ سے جو باتیں ثابت ہوتی ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے:

(۱) حدیث ضعیف سے مراد وہ حدیث حسن ہے جو صحیح میں شمار ہوتی ہے۔

(۲) حدیث ضعیف جو درجہ حسن سے فروتر ہو وہ متروک و نا قابل عمل ہے۔

(۳) رائے وقیاس سے مراد قیاس مذموم ہے، جو کتاب وسنت کے خلاف ہو۔

واضح رہے کہ ابن قیمؒ نے قیاس مذموم کی بحث کے بعد قیاس محمود کو تفصیل سے بیان کرتے ہوئے یہ ثابت کیا ہے کہ جو قیاس کتاب وسنت کے موافق ہو اس سے ضعیف حدیث اولیٰ یا اس پر مقدم نہیں ہوا کرتی ہے۔ بہر حال ان تمام باتوں سے یہ حقیقت بے نقاب ہو جاتی ہے کہ ائمہ مذاہب کے نزدیک بھی صرف حدیث صحیح اور حسن ہی حجت اور لائق عمل ہے۔رہے فقہائے مذاہب جو ضعیف متروک کو بھی لائق عمل مانتے ہیں اور حیلوں اور بہانوں سے اپنے

اقوال وآراء کے موافق، حدیثوں کوقبول کرتے اور مخالف قوی تر احادیث کورد کردیتے ہیں، تو ان کا یہ طرز عمل کھلے طور پر مذاہب ائمہ کے خلاف ہے۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے۔

معروفی صاحب کا اصولی جائزہ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ حدتو یہ ہے کہ اعلام سے ابن قیم کے کلام کا جو حصہ ان کے مفید مطلب تھا اسے ذکر کرکے باقی جو مقصد کلام تھا اس کوترک کردیا۔ اسی لئے امام ابن قیم نے مذاہب ائمہ بیان کرنے کے بعد علماء متعصبین کے اس مذموم طرز عمل پر افسوس کرتے ہوئے لکھا ہے:

" اما المتعصبون فانهم عكسوا القضية و نظروا فى السنة، فما وافق اقوالهم منها قبلوه وما خالفها تحيلوا فى رده أورد دلالته، واذا جاء نظير ذلک او اضعف منه سنداً و دلالة وكان يوافق قولهم قبلوه ولم يستجيزوا رده، واعترضوا علىٰ منازعيهم وأشاحوا وقرروا الاحتجاج بذلک السند و دلالته، فاذا جاء السند بعينه او اقوىٰ منه فى خلاف قولهم دفعوه و لم يقبلوه" (اعلام ۱/۷۶)

یعنی تعصب رکھنے والوں نے معاملہ کو الٹ دیا، اور حدیث میں نظر دوڑائی تو جو حدیث ان کے اقوال کے موافق ہوئی اسے قبول کرلیا، اور جو ان کے مخالف ہوئی اس کو یا اس کی دلالت کو حیلے بہانے سے رد کردیا، پھر جب اس جیسی یا اس سے کمزور تر سند ودلالت والی کوئی حدیث ان کے قول کے موافق ہوئی تو اسے بسروچشم قبول کرلیا۔ اس کا رد کرنا جائز بھی نہیں سمجھتے ، بلکہ رد کرنیوالوں پر اعتراضات کی بوچھار اوران پر ہر طرح سے یورش کرتے ہوئے اس کمزور سند ودلالت سے استدلال کرنے پر پورا زورصرف کرتے ہیں۔ لیکن بالکل اسی سند یا اس سے قوی تر سند سے وارد حدیث جو ان کے قول کے مخالف ہوتی ہے تو اسے ٹال دیتے ہیں۔ اس کو قبول نہیں کرتے۔

امام ابن قیمؒ نے یہاں پر صحیح وضعیف حدیث کے قبول ورد کے معاملے میں حنفیہ وغیرہ کے طرز عمل کی جو تصویر کشی کی ہے، کیا معروفی صاحب کو اعلام میں نظر نہیں آئی؟ نظر کیسے آئے؟ اس کے دیکھنے سے ان کے مفروضہ کی ساری عمارت ہی زمین بوس ہورہی ہے۔ اس

لئے ان کو اعلام میں صرف وہی بات نظر آئی جو ضعیف حدیث سے استدلال اور اس پر عمل کرنے سے متعلق ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول ''اذا صح الحدیث فھو مذھبی '' پہلے گذر چکا ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا قول خصوصیت سے زیر بحث مسئلہ میں فیصلہ کن ہے۔ وہ تنبیہ کے انداز میں فرماتے ہیں:

'' **فلا بد من رجوع اثبات الحکم الی الاحادیث الصحیحة بناءً علی قولھم '' ان الاحکام لا تثبت الا من طریق صحیح** '' (الاعتصام ۲۳۰/۱، ۲۳۱) یعنی اثبات حکم کیلئے احادیث صحیحہ کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ جمہور کا قول ہے کہ احکام، صحیح حدیث ہی سے ثابت ہوتے ہیں۔

امام احمد جو امام مذہب ہونے سے زیادہ امام حدیث ہیں۔ صحابہ کرام کے صحیح آثار و فتاویٰ کو حدیث مرسل پر مقدم رکھتے ہیں۔ (اعلام ۲۹/۱)

گل افشانی یا فن کاری: ۔ حنابلہ کے نزدیک احکام میں ضعیف حدیث کی حجیت پر معروفی صاحب نے یہ دلیل بیان کی ہے کہ ''المغنی'' میں ابن قدامہ نے لکھا ہے کہ'' **النوافل والفضائل لا یشترط صحة الحدیث فیھا**''

معروفی صاحب کی عربی دانی اتنی کمزور تو نہیں ہوگی کہ مذکورہ سہل عبارت کا معنی نہ سمجھ سکیں؟ جو یہ ہے کہ نوافل وفضائل میں حدیث کا صحیح ہونا شرط نہیں ہے۔ رہے احکام تو ان میں یہ شرط ہے۔ یہ کس قدر مضحکہ خیز اور فنکارانہ استدلال ہے کہ دعویٰ ہے احکام میں ضعیف حدیث کے حجت ہونے کا اور دلیل ہے فضائل میں اس کے لائق حجت ہونے کی۔ مزید گل افشانی یہ کہ اس کی مثال میں خطبہ جمعہ کے دوران احتباء سے منع والی حدیث کو پیش کیا ہے جس کا نوافل وفضائل سے دور کا تعلق نہیں ہے۔

تلبیس وتدلیس: ۔ امام ابوداؤد کے متعلق حافظ ابن مندہ کا قول نقل کیا ہے کہ'' امام ابوداؤد کا مذہب ہے کہ جب کسی باب میں انہیں ضعیف حدیث کے علاوہ نہیں ملتی تو اسی کا اخراج

کر لیتے ہیں۔الخ'' (ص:۳۶)

معروفی صاحب نے اس سے ضعیف حدیث کی حجیت پر استدلال کیا ہے۔ جو ایک قسم کی تلبیس ہے۔ کیونکہ کسی باب میں صحیح حدیث نہ ملنے پر ضعیف کے اخراج سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ وہ امام ابوداؤد کے نزدیک علی الاطلاق حجت ہے؟ اور وہی ضعیف حدیث ان کا مذہب ہے؟ جب کہ حقیقت اور واقعہ یہ ہے کہ امام ابوداؤد ان محدثین میں سے ہیں جن کا مذہب یہ ہے کہ ضعیف حدیث مطلقاً حجت نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو(الحدیث الضعیف و حکم الاحتجاج به ص:۲۵۰)

دوسری تلبیس یہ کہ ظاہر یہ کا مذہب کہ ضعیف حدیث لائق حجت اور قابل عمل ہے، ثابت کرنے کیلئے محلی ابن حزم کے حوالے سے مولانا معروفی نے لکھا ہے کہ ''رکوع سے پہلے قنوت پڑھنے سے متعلق حدیث بروایت حسن بن علیؓ لائے اور اس کے متعلق لکھتے ہیں کہ یہ حدیث اگر چہ اس لائق نہیں کہ اس سے استدلال کیا جائے۔لیکن چونکہ رسول اللہ ﷺ سے اس سلسلہ میں اور کوئی حدیث ہمیں نہیں ملی۔اس لئے ہم اسے اختیار کرتے ہیں'' (ص:۳۶)

یہاں پر معروفی صاحب نے تلبیس اور ابن حزم پر افتراء ہی سے بسم اللہ فرمائی ہے اس پر ماتم کیا جائے یا ان کی ہدایت کیلئے دعا کی جائے۔ کیونکہ ابن حزم نے قنوت بعد الرکوع کے اثبات سے مسئلہ کا آغاز کیا ہے، چنانچہ لکھتے ہیں:

''مسئلہ۔والقنوت فعل حسن وهو بعد الرفع من الركوع فى آخر الركعة الخ (قنوت پڑھنا بہتر عمل ہے اور اس کا محل آخری رکعت میں رکوع سے اٹھنے کے بعد ہے)

پھر ابن حزم نے کلمات قنوت ذکر کر کے متعدد احادیث اور آثار خلفائے راشدین واجلہ صحابہ سے ثابت کیا ہے کہ قنوت بعد الرکوع ہی سنت وافضل ہے۔اور قنوت قبل الرکوع غیر اولیٰ ہے۔

دوسرے یہ کہ اس باب میں حسن بن علی کی حدیث میں بھی قنوت قبل الرکوع کا کوئی ذکر نہیں ہے، اس لئے قنوت قبل الرکوع کی بات لکھنی ابن حزم پر افتراء کے ساتھ حدیث میں ادراج بلکہ تحریف کے ارتکاب کے مترادف ہے۔اس جرأت پر جس قدر ماتم کیا جائے کم ہے۔

رہی یہ بات کہ ابن حزم نے حدیث حسن بن علی کو ضعیف کہا ہے، تو اس کا جواب محلیٰ ہی میں موجود ہے۔ علامہ احمد شاکر نے جو اس کے محقق ہیں۔ حدیث مذکور کو متعدد طرق سے نقل کر کے ثابت کیا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

" وبهذه الطرق كلها ظهر أن الحديث صحيح حجة خلافاً لما قال ابن حزم رحمه الله "

قنوت سے متعلق اس ساری بحث کے لئے ملاحظہ ہو" المحلیٰ المجلد الثانی، الجزء الرابع ص: ۱۳۸ الی ۱۴۸، طبع دار الفکر۔

خیانت کا نمونہ: ۔ مولانا معروفی نے امام نووی کا ایک قول ادھورا اس طرح نقل کیا ہے کہ اس کا سر اور پیر دونوں غائب ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

" الا أن يكون في احتياط في شيء من ذلك ، كما اذا ورد حديث ضعيف بكراهة بعض البيوع ، والأنكحة فالمستحب أن يتنزه عنه۔ (ص:۳۶)

یہ استثنائی کلام خود بول رہا ہے کہ مستثنیٰ منہ غائب کر دیا گیا ہے، پھر اختتام میں استدراکی جملہ " لكن لا يجب " کو بھی حذف کر دیا گیا ہے۔ حالانکہ یہی مقصد کلام ہے۔ اس قسم کے نمونے اور بھی ہیں جنہیں بخوف طوالت قلم انداز کیا جا رہا ہے۔

ضعیف حدیث باب احکام کے علاوہ میں

اس عنوان کے تحت معروفی صاحب نے لکھا ہے:

"ضعیف غیر موضوع عقائد و احکام کے علاوہ میں جمہور کے نزدیک قابل عمل ہے۔ (ص:۳۹)

اس مسئلہ میں بھی استدلالی طریقۂ کار پہلے ہی جیسا ہے۔ بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ سخیف، غیر اصولی اور غیر عالمانہ ہے۔ اس لئے ہم ان سب پر بحث اور گفتگو نہ کر کے چند پہلوؤں پر روشنی ڈالنے پر اکتفاء کریں گے۔

معروفی صاحب نے اپنے مذکورہ دعویٰ پر جو پہلی دلیل پیش کی ہے وہ امام نووی کا

قول ذیل ہے:

" أجمع اهل الحديث و غيرهم على العمل فى الفضائل و نحوها ، مما ليس فيه حكم ، ولاشئ من العقائد و صفات الله بالحديث الضعيف"

اس کے بعد ابن حجر مکی کا قول:" قد اتفق العلماء على جواز العمل بالحديث الضعيف فى فضائل الاعمال "نقل کر کے لکھا ہے۔

"معلوم ہوا کہ مسئلہ اجماعی ہے اور کوئی بھی حدیث ضعیف کو شجرۂ ممنوعہ قرار نہیں دیتا" (ص:۳۹)

امام نووی کے قول میں یہ صراحت ہے کہ اجماع دو باتوں پر ہے۔ایک یہ کہ فضائل میں ضعیف پر عمل جائز ہے۔دوسری یہ کہ احکام وعقائد میں ضعیف سے استدلال یا اس پر عمل جائز نہیں۔اب معروفی صاحب کے دعوائے اجماع پر یہ اصولی اعتراض وارد ہوتا ہے کہ احکام میں ضعاف کی حجیت ثابت کرنے کی اب تک جو فضولی کوشش انہوں نے کی ہے اس سے یہ اجماع ٹوٹ گیا، اور اس کی کھلی مخالفت کی گئی ہے، پھر اس اجماع سے استدلال کیسے درست ہو سکتا ہے؟

مولانا ابو الحسنات عبد الحی لکھنوی بہت پہلے اس اجماع کو باطل قرار دے چکے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

"فضائل اعمال وغیرہ میں ضعیف حدیث پر عمل کے متعلق اتفاق کا دعویٰ باطل ہے۔ اگر چہ جمہور کا مذہب یہی ہے۔مگر مشروط ہے۔ (الآثار المرفوعہ ص:۸۱، ضعیف احادیث کی معرفت ص:۸۶)

صحیحین شریفین: ۔ صحیحین جن کی تمام احادیث کی صحت پر ابتداء سے اجماع قائم ہے، کو معروفی صاحب نے اپنے عمل جراحی کا تختۂ مشق بنانے کی مذموم کوشش کی ہے، بخاری شریف پر ان کی جارحانہ کوشش کا تحقیقی و تفصیلی جواب مولانا مجیب الغفار اسعد اعظمی کے قلم سے "ترجمان الاسلام بنارس" میں شائع ہو چکا ہے۔رہا صحیح مسلم کا معاملہ تو معروفی صاحب نے اس میں مجروح راویوں کے ہونے کا شگوفہ چھوڑا تو ضرور ہے۔لیکن کسی حدیث پر اس کو فٹ نہیں کر سکے۔صرف ذہبی اور نووی کے کلام سے اپنا من پسند خلاصہ بیان کر کے اصل مسئلہ گول کر گئے۔

تنبیہ:۔مناسب معلوم ہوا کہ ہم قارئین کو آگاہ کرتے چلیں کہ معروفی صاحب نے بعض ائمہ حدیث کے ناموں سے ذیلی عنوانات قائم کرکے یہ دھونس جمائی ہے کہ بڑے بڑے محدثین کے نزدیک ضعیف حدیث قابل قبول ہے۔ صحیحین کے بارے میں اس دھونس کی حقیقت معلوم ہوچکی،اب آگے چلتے ہیں۔

یحیٰ بن معین کے بارے میں معروفی صاحب نے جو شواہد نقل کئے ہیں ان سے قطعاً یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ ضعیف حدیث کی حجیت کے قائل ہیں۔ابن معین کے موقف پر جو نص صریح ہے وہ یہ کہ ضعیف حدیث کی حجیت کے بارے میں ان کا مذہب مطلقاً رد ہے۔

ابن عربی مالکی:۔ یہ بات محتاج دلیل نہیں ہے کہ ابن عربی مالکی کا شمار ان محدثین میں سے ہے جو ضعیف حدیث کو مطلقاً نا قابل عمل کہتے ہیں،۔لیکن افسوس ہے معروفی صاحب کی جرأت پر کہ وہ یہ بات کہنے پر ذرا بھی شرم محسوس نہیں کئے کہ"ان (ابن عربی) سے ایسی کوئی صراحت تو نہیں ملی جس سے ثابت ہو کہ ان کے نزدیک فضائل اعمال میں ضعیف قابل عمل نہیں،البتہ اس کے برعکس ثابت ہے"(ص:۴۷۔۴۸)

برعکس ثابت ہونے کیلئے وہی بات دہرائی ہے کہ مالکیہ کے نزدیک مرسل حدیث سے استدلال درست ہے،اس پر پہلے بحث ہوچکی ہے جو اس مسئلہ کو سمجھنے کیلئے کافی ہے۔

ابوشامہ مقدسی:۔ہم معروفی صاحب کی عقل وفہم پر ماتم کریں، یا ان کے تلبیسی عمل کی داد دیں کہ کس چابکدستی سے حقیقت کو الٹ پلٹ کردیا کرتے ہیں،لکھتے ہیں:

"انہوں نے اپنی کتاب"الباعث علی انکار البدع والحوادث"میں حافظ ابن عساکر دمشقی کی ایک مجلس املاء کے حوالے سے ماہ رجب کی فضیلت کے متعلق تین حدیثیں ذکر کیں،اس کے بعد لکھا۔

"كنت أود أن الحافظ لم يذكر ذلك ، فان فيه تقريراً لما فيه من الأحاديث المنكرة ، فقدره كان أجل من أن يحدث عن رسول الله ﷺ بحديث يرى انه كذب الخ"(ص:۴۸)

کیا اس عبارت سے کوئی ثابت کرسکتا ہے کہ ابوشامہ مقدسی فضائل میں ضعیف پر عمل کرنے کے قائل تھے؟ عبارت منقولہ تو اعلان کررہی ہے کہ ان کے نزدیک ضعیف کو ذکر کرنا بھی درست نہیں ۔ چہ جائیکہ اس پر عمل کیا جائے ،لیکن معروفی صاحب نے اپنی تلبیسی مہارت سے بات ہی الٹ دی، اور فتح الملہم کے حوالے سے لکھدیا کہ محدث ابوشامہ نے فضائل وغیرہ میں ضعیف پر عمل کرنے کے سلسلے میں کوئی نقدنہیں کیا''

امام ابن تیمیہ اور علامہ شوکانی:۔اہل علم کے نزدیک یہ مسلم امر ہے کہ ان دونوں محدثین کا اصولی موقف یہی ہے کہ ضعیف حدیث مطلقاً نا قابل عمل ہے ۔لیکن معروفی صاحب نے ابن تیمیہ کی کتاب'' الکلم الطیب ''اور شوکانی کی'' تحفۃ الذاکرین '' کے حوالے سے ان کا نیا موقف یہ تیار کیا ہے کہ فضائل میں ضعیف حدیث ان دونوں کے نزدیک مطلقاً قابل عمل ہے،اس کے ثبوت میں لکھتے ہیں:

''الکلم الطیب'' میں ضعیف حدیثوں کی تعداد کتنی ہے اس کا جواب علامہ البانی دیں گے،جنہوں نے'' صحیح الکلم الطیب ''اور''ضعیف الکلم الطیب''میں خط امتیاز قائم کرنے کا کارنامہ انجام دیا ہے'' (ص:۴۹)

معروفی صاحب نے یہاں پر اپنے مفروضہ یا ابن تیمیہ کیلئے اپنے خودساختہ موقف کے اثبات میں شیخ البانیؒ کی صحیح وضعیف کو حجت بنایا ہے۔ جب کہ اس سے پہلے ص:۳۲ پر طنز کے تیر برساتے ہوئے لکھ چکے ہیں کہ ''بعض غلو پسند طبیعتیں صحیحین کو چھوڑ کر بقیہ کتب حدیث کو ''صحیح الکتاب الفلانی ''و''ضعیف الکتاب الفلانی ''جیسے عمل جراحی کا نشانہ بنائے ہوئے ہیں''

اب یہاں پر شیخ البانی کا وہی عمل جراحی'' کارنامہ'' کے اعزاز سے نوازا جارہا ہے یہ دورخی روش کیوں؟

سنئے! جن محدثین کے نزدیک ضعیف حدیث مطلقاً غیر مقبول ہے۔ان کی کتابوں میں ضعیف کے مذکور ہونے کے مختلف اسباب ہوتے ہیں۔غالب وجہ یہ ہوتی ہے کہ اس حدیث کی

صحت مختلف فیہ ہونے کی صورت میں اس کو ترجیحی بنیاد پر ذکر کر دیتے ہیں، اور کبھی ضعیف کو استطراداً و استشهاداً لاتے ہیں، اصالۃً نہیں۔ پھر ضعیف حدیث کا ذکر اس بات کو بالکل مستلزم نہیں ہے وہ مصنف کے نزدیک بھی ضعیف ہے، یا ضعیف ہے تو قابل حجت بھی ہے۔

امام ابن تیمیہ کا قول پہلے نقل کیا جا چکا ہے جس میں یہ صراحت ہے کہ سلف اور خود ان کے نزدیک ضعیف سے مراد حسن یا ضعیف غیر متروک ہے۔ اس اصطلاح کی بنا پر ان کی ''الکلم الطیب'' میں مذکورہ ضعیف حدیثیں متروک نہیں قرار پاتیں، یہ اور بات ہے کہ ایک آدھ حدیث امام موصوف کے نزدیک صحیح یا حسن ہو۔ لیکن واقع میں ایسا نہ ہو، اس لئے اس کو یوں کہنا کہ امام ابن تیمیہ کا موقف یہ ہے کہ ضعیف حدیث قابل عمل ہے، صحیح بات نہیں ہے۔

اسی آئینہ میں '' الادب المفرد '' للبخاری کو بھی دیکھنا چاہئے اور اس بات کو ملحوظ رکھنا چاہئے کہ ''الادب المفرد'' تیرہ سو کے قریب روایات کا مجموعہ ہے، جن میں صرف تین سو کے قریب مرفوع روایتیں ہیں۔ باقی سب آثار ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ آثار کی صحت و ضعف کا اطلاق حدیث پر نہیں ہوگا۔ یہ بھی ملحوظ رہے کہ امام بخاری اور امام ابن تیمیہ رحمہما اللہ تعالیٰ جو احادیث و آثار کے علم و معرفت اور حفظ میں امام اور مثالی مقام کے حامل ہیں، ان کی روایت کردہ حدیث یا اثر جسے متاخرین کے نزدیک ضعیف سمجھا جاتا ہے، وہ ان دونوں ائمہ کے نزدیک حسن ہوتا ہے، کیونکہ وہ اس کے شواہد کے حافظ اور کتاب و سنت سے اس کی اصل کے عالم ہوتے ہیں۔ چنانچہ موقوفات کے بارے میں خود امام بخاری نے اپنا اصولی صنیع ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

" لست اروی حدیثاً من الصحابة والتابعين ، يعنى من الموقوفات الا وله أصل، أحفظ ذاک عن كتاب الله و سنة رسوله '' (مقدمۃ الفتح ص:۵۱۲)

علامہ شوکانی کی کتاب ''تحفة الذاکرین '' کے متعلق لکھا ہے ''ضعاف سے بھری پڑی ہے'' (ص:۵۰)

لگتا ہے معروفی صاحب نے اس کتاب کو دیکھا تک نہیں ہے کہ شوکانی نے اس میں

کس چیز کو موضوع بحث بنایا ہے۔ اور یہ کتاب کس غرض سے تالیف کی ہے۔ کیونکہ ایسی رجماً بالغیب بات ان کی علمی شان سے بہت بعید ہے۔

علامہ شوکانی نے پیش لفظ میں اس کتاب کا پورا تعارف کرادیا ہے، اگر اسی کو پڑھ لیتے تو معروفی صاحب کو یہ معلوم ہوجاتا کہ ''تحفة الذاکرین'' شرح ہے۔ ''عدة الحصن الحصین'' لابن الجزری کی، اس شرح کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ'' عدة الخ'' میں متکلم فیہ حدیثوں پر تنبیہ نہیں کی گئی ہے۔ اور نہ مخرجین حدیث کی پورے طور پر نشان دہی ہوئی ہے۔ شرح میں اسی کمی کو پوری کرنا اصل مقصد ہے۔ اسی کے تحت مذکورہ احادیث کا قواعد تعدیل وجرح سے موازنہ کرکے صحیح یا حسن یا ضعیف معلول ہونے کو واضح کیا گیا ہے۔ ساتھ ہی متروک مصادر کو بیان کرکے ان میں مذکورہ الفاظ حدیث کو بھی نقل کردیا گیا ہے۔

معروفی صاحب! آپ کی عالمانہ بالخصوص تخصص فی الحدیث کی شان پر یہ ہوائی باتیں زبردست سوالیہ نشان ہیں، کاش آپ اپنے مقام کو پہچانتے اور اس کی قدر کرتے۔

ضعیف یا موضوع حدیث کی پذیرائی کس کس نے کی؟

اس عنوان کے تحت جو پانچ صفحات سیاہ کئے گئے ہیں، ان کا خلاصہ دولفظوں میں یہ ہے کہ حافظ ابن جوزی، حافظ منذری، حافظ نووی، حافظ ذہبی، حافظ ابن حجر، حافظ سیوطی، اور حافظ ابن قیم رحمہم اللہ نے اپنی کتابوں میں ضعیف اور موضوع حدیثوں کو درج کرکے ان کی پذیرائی کی ہے۔

ہم نے اب تک اصولی جائزہ پر جو ناقدانہ نظر ڈالی ہے اس میں اس کا شافی جواب موجود ہے۔ بالخصوص ابن تیمیہؒ کے موقف کے سلسلے میں جو حقیقت اجاگر کی ہے وہ بھی اس کے بطلان کیلئے کم نہیں ہے۔

خلاصۂ کلام:۔ اصولی جائزہ کے پہلے اور دوسرے نکتے کے نام سے تمام باتوں کا خلاصہ صرف اتنا ہے کہ محدثین اور فقہاء کا یہ طرز عمل رہا ہے نہ وہ ضعیف وموضوع حدیثوں کو اپنی

کتابوں میں نقل کرتے ہیں ۔ جوضعیف حدیث کی مقبولیت اور اس کے قابل عمل ہونے کی دلیل ہے، اس لئے شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب نے فضائل اعمال میں جو ضعاف و موضوعات درج کی ہیں وہ کوئی گناہ یا غلط کام نہیں ہے، اس لئے ان پر اور فضائل اعمال پر اعتراض اور تنقید جائز نہیں ہے۔

اس استدلال پر یہ سوال اپنی جگہ پر قائم ہے کہ کیا محدثین وفقہاء کی کتب حدیث میں ضعیف وموضوع حدیثوں پر بحث ونقد کا سلسلہ اول روز سے جاری نہیں ہے؟ اور کیا ان سب حدیثوں کو قابل عمل ہونے کا سرٹیفکیٹ دیدیا گیا ہے؟

معروفی صاحب کے طرز استدلال کی مثال ایسی ہے کہ موجودہ زمانے میں قتل و چوری اور زنا وغیرہ کے ارتکاب پر یہ دلیل پیش کی جائے کہ عہد نبوی اور عہد صحابہ وتابعین وغیرہ میں اس قسم کے واقعات ہوتے رہے ہیں ۔ معاذ اللہ!

تیسرا نکتہ

اس نکتے کا تعارف اصولی جائزہ کے ص:۲۴ پر ان الفاظ میں پیش کیا گیا ہے:

''ترغیب وترہیب کے باب میں نصوص قرآن وسنت کے علاوہ بزرگوں کے اقوال، افعال، حکایات، اور منامات ومبشرات کا سہارا لینا درست ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کس حد تک؟

اس نکتہ میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے اسے پڑھ کر ہم حیرت زدہ ہو گئے کہ بزرگوں کے اقوال وغیرہ سے کوئی تعرض ہی نہیں کیا گیا ہے ۔ جو فضائل اعمال پر معترضین کا نشانہ ہیں، اور اس بات کا اشارہ بھی نہیں ملا کہ ان اقوال وغیرہ کو کس حد تک بیان کرنا درست ہے؟ البتہ یہ بات معلوم ہوئی کہ فضائل میں منقولہ قصص و حکایات کی صداقت سے کوئی مطلب نہیں ہے ۔ بلکہ اصل مقصد عبرت پذیری ہے، اس نکتہ میں زیادہ تر ایسی باتیں لکھی گئی ہیں جو معروفی صاحب کی صحت عقیدہ پر سوالیہ نشان ہیں۔

مثلاً حدیث ''حدثوا عن بنی اسرائیل ولا حرج ''الحدیث، سے استدلال

کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''بنی اسرائیل کے قصے بیان کرنے کی اجازت دی گئی ہے، ضروری نہیں کہ وہ پایۂ ثبوت کو پہونچے ہوئے ہوں، اور اگر ثابت بھی ہوں تو ضروری نہیں کہ اسی تفصیل کے ساتھ ہوں جس تفصیل سے بیان کئے جارہے ہیں۔'' (ص:۲۴)

معروفی صاحب غور فرمائیں کہ کیا فرمارہے ہیں؟ حدیث مذکور کا یہی مطلب ہے کہ ہر قسم کی اسرائیلیات اور بے سروپا قصص وحکایات نمک مرچ کے ساتھ بیان کرنے کی اجازت دی گئی ہے؟ یہ تو اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''یا ایھا الذین آمنوا اتقوا اللّٰہ و قولوا قولا سدیداً، اور ''یا ایھا الذین آمنوا ان جاء کم فاسق بنبأ فتبینوا '' سے بغاوت اور اعلان جنگ ہے۔

عقیدۂ اہل سنت سے انحراف کرتے ہوئے لکھا ہے:

''مثال کے طور پر حدیث ام زرع جو صحیحین کے علاوہ حدیث کی امہات کتب میں صحیح سندوں سے منقول ہے: یہ قصہ کہاں رونما ہوا؟ جن گیارہ عورتوں کی بات نقل کی گئی ہے ان کے نام ونسب کیا ہیں؟ پھر کون سی بات کس عورت نے کہی؟ یہ سب غیر معلوم ہے۔ پورے قصے کو پڑھئے تو معلوم ہوگا کہ ان عورتوں نے اپنے شوہروں پر جو تبصرے کئے ہیں ان میں بعض تو ایسے ہیں کہ بخاری شریف پڑھنے والا طالب علم بڑی مشکل سے اپنی ہنسی ضبط کر پاتا ہے۔ لیکن مقصد اصلاً درس عبرت ہے۔ اس لئے کوئی عاقل یہ کہنے کی جسارت نہیں کرے گا (لیکن آپ نے کر ڈالی) کہ امام بخاری نے حیاسوز قصے صحیح بخاری میں بھر دیئے۔ یا نعوذ باللہ حدیث میں حیاسوز قصے بیان کئے گئے'' (ص:۶۴)

ہم نے یہ طویل عبارت اس لئے نقل کی ہے کہ قارئین اس کو پڑھ کر خود فیصلہ کرسکیں کہ معروفی صاحب نے فضائل اعمال کی عقیدت میں اس کی فضیلت یا فوقیت ثابت کرنے کیلئے حدیث رسول ﷺ اور امام بخاری کا ایسے غیر مہذبانہ انداز میں مذاق اڑایا ہے کہ کوئی سنجیدہ مسلمان اور شریف انسان اپنی زبان پر ایسے الفاظ لانے کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔ جب کہ معروفی صاحب کی تحریر صاف بول رہی ہے کہ حدیث میں اور صحیح بخاری میں حیاسوز قصے بھرے

ہوئے ہیں، لیکن اس کو کہنا نہیں چاہئے (پھر بھی آپ کہہ گئے) اس کفریہ حرکت پر معروفی صاحب کوتو بہ کرنی چاہئے، کیونکہ تمام اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ''الاستھانة بالنصوص من الکتاب والنسة کفر، والاستھزاء علی الشریعة کفر''

بات اسی پر ختم نہیں ہوتی، بلکہ اس سے تجاوز کر کے حدیث کی طرح قرآن کریم کو بھی تشکیک کے بھنور میں پھنسا دیتی ہے، کیونکہ قرآن کریم کا ایک حصہ قصص وواقعات پر مشتمل ہے۔ ان میں وہ تفصیلات غیر معلوم ہیں جن کو معروفی صاحب نے سوالیہ انداز میں پیش کیا ہے۔ مثلاً'' واذ قتلتم نفساً فادّٰرء تم فیھا'' (البقرۃ) اس میں بنی اسرائیل کے ایک شخص کے قتل کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ یہ قصہ کہاں رونما ہوا؟ قاتل ومقتول کے نام ونسب کیا ہیں؟ وغیرہ۔

''قال نسوۃ فی المدینة امرأت العزیز''الآیۃ (یوسف) ان عورتوں کے نام ونسب کیا ہیں؟ وغیرہ

''واضرب لھم مثلاً اصحٰب القریة، اذ جاء ھا المرسلون (یٰس) یہ قریہ کہاں ہے؟ یہ''مرسلون'' کون ہیں؟ ان کے نام ونسب کیا ہیں؟

''ھل اتاک نبؤا الخصم اذ تسوروا المحراب''الآیۃ (ص) حضرت داؤد کے عبادت خانہ میں دیوار پھاند کر داخل ہونے والے کون تھے؟ ان کے نام ونسب کیا ہیں؟

حضرت موسیٰ کا قصہ بکرات ومرات مذکور ہے۔ ان کا مقابلہ ساحروں سے کس جگہ ہوا؟ ان کے نام ونسب کیا ہیں؟

اصحاب کہف کا قصہ تفصیل سے بیان ہوا ہے، پھر بھی ان کے بارے میں مذکورہ سوالات کے سوا اور بھی دریافت طلب امور ہیں۔ حدیثوں کو لیجئے، ان میں قصوں کی نوعیت بھی اس سے مختلف نہیں ہے۔ مثلاً

'' ان رجلا کان افیمن کان قبلکم اتاہ الملک لیقبض روحہ'' الحدیث (بخاری ۱/۴۹۱)

''حدیث ابرص و اقرع واعمی'' (ایضاً ۱/۴۹۲)

''حدیث الغار''فیه ثلاثه نفر ممن کان قبلکم (ایضاً ۱/۴۹۳)

''بینما امرأة ترضع ابنها''الحدیث (ایضاً)

''کان فی بنی اسرائیل رجل قتل تسعة و تسعین انسانا''الحدیث (ایضاً)

اس قسم کے بہتیرے صحیح واقعات حدیث کی کتابوں میں بکھرے ہوئے ہیں، اور قرآنی قصوں کی طرح اجمالاً یا تفصیلاً مذکور ہیں، ان کی صداقت ہر شک وشبہہ سے بالاتر ہے۔ لیکن ان کے بارے میں معروفی صاحب کی مسئولہ باتیں تا ہنوز معلوم نہ ہونے کی وجہ سے یہ سارے قصے مشکوک قرار پاتے ہیں

فضائل اعمال میں مذکورہ بزرگوں کی محیر العقول حکایات ومنامات کو قرآن وحدیث کے سچے وکھرے قصص وواقعات پر قیاس کر کے عبرت پذیری کیلئے ان کے ہم مثل سمجھنا اور بیان کرنا اسلامی معتقدات کے بھی منافی ہے۔

بات یہیں تک محدود نہیں ہے۔فضائل اعمال میں ع

ولیوں کا رتبہ نبی سے بڑھائیں

کا عملی مظاہرہ بڑی جرأت سے کیا گیا ہے۔اس کو مصنف فضائل اعمال کی زبان سے سنئے!

''البتہ اس رسالہ میں چند حکایات صوفیاء کی نقل کرنے کے بعد چند ارشادات نبی اکرم ﷺ کے نقل کرتا ہوں'' (فضائل نماز ص:۶۳) بات بالکل واضح ہے کہ حکایات صوفیاء کا مقام اول اور ارشادات رسول ﷺ کا ثانوی ہے۔

ایک محیر العقول قصہ:۔ان حکایات صوفیاء میں ایک محیر العقول حکایت کو معروفی صاحب نے مثالاً پیش کرتے ہوئے جواب دیا ہے کہ:

''سید احمد رفاعی کے قصہ میں روضۂ اقدس سے دست مبارک برآمد ہونے کا معاملہ تو اس طرح کے واقعات میں واقعی طالب حق کے لئے استبعاد کی کوئی چیز نہیں ہے، اللہ تعالیٰ خرق عادت امور کو وقتاً فوقتاً ظاہر فرماتے ہیں۔ پھر یہ بھی ضروری نہیں کہ نمودار ہونے والا دست مبارک حقیقی ہو، بلکہ وہ مثالی بھی ہوسکتا ہے۔جیسا کہ بیک وقت ہزاروں کی تعداد میں زمین

کے مختلف خطوں میں مردے دفن ہوتے ہیں ۔اور وہاں ان کو آنحضرت ﷺ کی شبیہ مبارک دکھائی جاتی ہے۔وہ حقیقی بھی ہوسکتی ہے اور مثالی بھی'' (ص:٦٥)

خرق عادت امور کے ظہور پر ردوانکار کی بحث نہیں ہے، بلکہ صوفی رفاعی کے قصے کی صحت سے ہے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ کو حالت منام میں دیکھا جانا نصوص شرعیہ سے ثابت ہے ۔اور مذکورہ قصے کا تعلق حیات دنیوی اور حالت بیداری سے ہے ۔اور حالت بیدار میں دیدار شریف ہونے کا کوئی شرعی ثبوت نہیں ہے، چومنا چاٹنا تو بہت دور کی بات ہے۔

معروفی صاحب نے صوفی مذکور کے قصے میں کوئی استبعاد نہ ہونے پر استدلال اس بات سے کیا ہے کہ بیک وقت ہزاروں مردے مختلف خطوں میں دفن ہوتے ہیں، اوران کو آنحضرت ﷺ کی شبیہ مبارک دکھائی جاتی ہے الخ ۔اس استدلال کی ساری عمارت تدلیس و تلبیس پر کھڑی ہوئی ہے۔ دیکھئے! قصہ ہے دنیاوی زندگی کا، اور شبیہ مبارک دکھانے کا معاملہ برزخی زندگی سے متعلق ہے۔دونوں کے احوال وکوائف جداگانہ ہیں۔ایک کو دوسرے پر قیاس کر کے ان کو سمجھنا سمجھانا دین وشریعت سے ناواقفیت اور ایک قسم کی ضلالت ہے۔

اب ہم شرک کا ایک بھیانک نمونہ دکھاتے ہوئے اپنی بات ختم کر رہے ہیں۔ مؤلف فضائل اعمال لکھتے ہیں:

" السلام عليكما يا ضجيعي رسول الله و رفيقيه ووزيريه ، جزاكم الله أحسن الجزاء جئنا كما نتوسل بكما الى رسول الله ﷺ ليشفع لنا و يدعولنا ان يحيينا على ملته و سنته ويحشرنا الى زمرته و جميع المسلمين''

(فضائل حج ص:١١٧) بتایئے: قبوریوں اور غیر قبوریوں میں کتنا فاصلہ رہ گیا ہے؟

اللهم ارنا الحق حقاً وارزقنا اتباعه وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابه

مجموعہ ''فضائل اعمال'' کے دفاع کا علمی و تحقیقی جائزہ (2)

صحیح بخاری کا مقام بلند

اور اس کی بعض حدیثوں کی تضعیف کی سعی مذموم

تحریر:
مولانا مجیب الغفار اسعد اعظمی
شیخ الحدیث مظہر العلوم بنارس

مکتبۃ الفہیم مئو ناتھ بھنجن یوپی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

صحیح بخاری کا مقام بلند

اوراس کی بعض حدیثوں کی تضعیف کی سعی مذموم

معجزۂ رسول امی ﷺ، امام الائمہ، سلطان المحدثین، امیر المؤمنین فی الحدیث حضرت امام بخاری کی تصنیف عظیم ''صحیح بخاری'' فن حدیث کی نہایت مہتم بالشان، قوی البرہان، عظیم البرکۃ، منقطع النظیر غیر معمولی مقبولیت اور تقدس کی حامل کتاب ہے، یہ اسلام کی ایسی جلیل القدر کتاب ہے کہ قرآن مجید کے بعد اجماع علمائے اسلام نے اسی کو سب سے زیادہ صحیح کتاب قرار دیا ہے، بخاری نے اس میں اسناد متصل کے ساتھ ایسی صحیح حدیثوں کو جمع کرنے کا التزام کیا ہے جن کی صحت کے بارے میں کسی منصف کے لئے کوئی گنجائش شک وشبہ کی باقی نہ رہے، حافظ فرماتے ہیں:

''وفحرک همته لجمع الحديث الصحيح الذى لا يرتاب فيه أمين.''

(ہدی الساری مقدمہ فتح الباری، ص ۵)

پھر اس التزام سے کما حقہ عہدہ برآ ہونے کے لئے انھوں نے بہ توفیق الٰہی حدیثوں کی صحت کا ایک اعلیٰ اور مثالی معیار متعین کیا، نیز کمال احتیاط کے پیش نظر حدیثوں کے انتخاب میں شروط دقیقہ کی پابندی کی، مثلاً یہ کہ ثقہ اور تدلیس سے مبرا راویان حدیث جن میں باہم معاصرت بھی ہو اور باہم لقاوسماع بھی ممکن ہو، لیکن ان کی حدیثوں میں سمعتُ (میں نے سنا) اور حدثنا (ہم سے فلاں نے حدیث بیان کی) اوران کے مانند الفاظ کی صراحت نہ ہو جس سے یہ پتہ چلے کہ راوی جس سے روایت کررہا ہے اس سے خود سن کر کررہا ہے بلکہ طرز بیان یوں ہو کہ فلاں مثلاً زید فلاں مثلاً بکر سے روایت کررہا ہے، ظاہر ہے کہ ایسی روایتیں ارسال وانقطاع کے شبہ سے پاک اور مبرّا نہیں قرار دی جاسکتیں، اس لئے امام بخاری اپنی

جامع صحیح کے لئے ایسی حدیثوں کو اس وقت تک نہیں لیتے جب تک کہ معتبر طریق سے ان راویوں کے مابین لقاء وسماع کا ثبوت نہ بہم پہونچ جائے، جبکہ امام مسلم ایسی حدیثوں کو ان کے ثقہ راویوں کے ساتھ حسن ظن نیز دیگر دلائل وشواہد کی بنا پر صحیح قرار دیتے ہوئے اپنی جامع صحیح میں درج فرماتے ہیں، نیز ان حدیثوں کو صحیح نہ تسلیم کرنے والوں اور لقاء وسماع کی شرط لگانے والوں پر شدید ردوقدح بھی کرتے ہیں جس کو مقدمہ صحیح مسلم میں دیکھا جاسکتا ہے۔

امام بخاری کے معیار کی بلندی کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ حدیث کی کتابوں میں بخاری شریف کے بعد اصحیت کے اعتبار سے اگر کسی کتاب کا رتبہ ہے تو وہ باتفاق جمہور علماء امام مسلم کی ''الصحیح'' کا ہے۔ بخاری کی طرح امام مسلم کا مقصد بھی اپنی اس کتاب میں صرف صحیح حدیثوں ہی کو جمع کرنا ہے۔ لیکن چونکہ مسلم کے مقابلے میں بخاری کا معیار انتخاب نہایت بلند ہے، اس لئے وہ حافظ ابن حجر عسقلانی کی مثال کے مطابق ابن شہاب زہری کے تلامذہ میں بھی جن کے پانچ طبقے ہیں اور ہر طبقہ اپنے سے نیچے کے طبقے پر فضیلت رکھتا ہے، صرف طبقۂ اولیٰ کی روایتوں کو مقصود کتاب بناتے ہیں۔ اس طبقۂ اولیٰ کی خصوصیت یہ ہے کہ ان میں تثبت وثقاہت کے ساتھ نہایت اعلیٰ درجہ کا حفظ واتقان پایا جاتا ہے، اور یہی وصف محدثین کے نزدیک اعلیٰ درجہ کی صحت کا موجب ہوتا ہے۔ مزید برآں اس طبقہ کے رواۃ میں اپنے شیخ زہری کے ساتھ سفر وحضر میں کثرت ملازمت اور طول صحبت کی خوبی بھی پائی جاتی ہے جس کی بنا پر زہری کی حدیثوں کے ساتھ ان کو خاص ممارست حاصل ہوتی ہے۔ ان وجوہ کی بنا پر ان کی حدیثیں زیادہ قابل وثوق ہوئیں، چنانچہ حافظ فرماتے ہیں کہ اس طبقہ کی حدیثیں غایت درجہ صحیح ہوتی ہیں:

''فمن کان فی الطبقة الاولیٰ فهو الغایة فی الصحة.'' (ہدی الساری ص ۷)

زہری کے تلامذہ میں طبقۂ ثانیہ والے پہلے طبقہ کے ساتھ وصف ثقاہت میں تو شرکت رکھتے ہیں لیکن حفظ واتقان میں ان سے کم ہوتے ہیں، نیز ان میں طول صحبت وکثرت ملازمت بھی نہیں پائی جاتی جس سے ان کو زہری کی حدیثوں سے ممارست حاصل ہو، اس لئے ان کی حدیثوں کو بخاری اکثر وبیشتر بہ صورت تعلیق یعنی ضمنی حیثیت سے ذکر کرتے ہیں، مسنداً ذکر

کر کے مقصود کتاب نہیں بناتے اس لئے کہ وہ طبقۂ اولیٰ کی حدیثوں کی بہ نسبت درجۂ صحت سے فروتر ہوتی ہیں۔ حافظ کہتے ہیں:

"واکثر مایخرج البخاری حدیث الطبقة الثانیة تعلیقاً." (ہدی الساری ص۷)

لیکن بخاری کے برخلاف امام مسلم ہر دو طبقہ کی روایتوں کو مقصود و مطلوب کی حیثیت سے بالاستیعاب درج کتاب فرماتے ہیں۔

حدیثوں کے انتخاب کے سلسلہ میں بخاری کی احتیاط اور ان کے معیار کی رفعت کا تو یہ عالم ہے کہ جن حدیثوں کو ائمۂ محدثین اپنی کتابوں میں ابواب کے تحت احتجاج و استدلال کے طور پر ذکر کرتے ہیں، امام بخاری ان کو اپنی کتاب کے ترجمۃ الباب میں بھی ذکر کرنا پسند نہیں کرتے۔ علامہ انور شاہ کشمیری فرماتے ہیں:

"فانظر رفعة المصنف رحمه الله ان ما یخرجه الائمة تحت ابوابهم لا یذکره المصنف رحمه الله تعالیٰ فی تراجمه بل لا یحب ان یشیر إلیه ایضاً."

[بخاری شریف کے مولف کی رفعت شان تو دیکھئے کہ ائمہ محدثین جن حدیثوں کو ابواب کے تحت اسناد متصل کے ساتھ ذکر کرتے ہیں وہ ان کا ذکر اپنے تراجم ابواب میں بھی نہیں کرتے بلکہ ان کی طرف اشارہ کرنا بھی پسند نہیں فرماتے۔] (فیض الباری ۱/۲۴۵)

اسی طرح مشائخ سے روایت کے باب میں امام کی احتیاطی روش بھی معروف و مشہور ہے۔ ایک مرتبہ کسی شخص نے امام سے ایسی حدیث کے بارے میں سوال کیا جس میں تدلیس کا شبہ تھا تو امام نے فرمایا کیا تمہیں میرے متعلق تدلیس کا شبہ ہے؟ حالانکہ اسی تدلیس کے اشتباہ پر میں نے ایک محدث کی دس ہزار سے زائد حدیثیں ترک کردیں، اور اسی بنا پر ایک دوسرے محدث کی تمام حدیثوں کو ترک کردیا۔

(امداد الباری از مولانا عبدالجبار اعظمی ۱/۴۷۵، وسیرۃ البخاری از مولانا عبدالسلام مبارکپوری ص ۶۷ بحوالہ الفوائد الدراری از علامہ عجلونی)

اس واقعہ سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ بخاری کو مواضع التہم سے کس قدر نفور اور پرہیز تھا۔ امام بخاری جس طرح اخذ روایت میں محتاط ہیں اسی طرح کتب حدیثیہ کے استحفاظ میں بھی نہایت احتیاط سے کام لیتے تھے، ہر شخص کے پاس اپنی کتابوں کا رہنا پسند نہ فرماتے۔ امام صاحب کے ایک شیخِ حدیث ہیں جن کا نام ہے مسدّد۔ امام صاحب ان کی نسبت فرماتے تھے:

"مسدد کاسمه مسدد لا ابالی ان یکون کتبی عنده او عندی."

یعنی مسدد (صاحب راستی) اسم با مسمّٰی ہیں میری کتابیں یرے پاس رہیں خواہ ان کے پاس مجھے کسی طرح کا کھٹکا نہیں۔ (سیرۃ البخاری ۶۸ بحوالہ صحیح بخاری)

بخاری فن حدیث میں اپنی خداداد بصیرت، غیر معمولی حذاقت اور قوت فطانت سے اعلیٰ معیار صحت کے مطابق بہ کمال احتیاط شروط دقیقہ کی پابندی کے ساتھ روایات کی تنقیح و تحقیق و تصحیح سے جب فارغ ہو جاتے ہیں تو مزید احتیاط اور خداترسی کے پیش نظر اپنے علم و ادراک اور تحقیق کو گویا فنا کرتے ہوئے نہایت خضوع اور عاجزی کے ساتھ استخارۂ مسنونہ کے ذریعہ خدائے علام الغیوب سے فیضان علم چاہتے ہیں، تاکہ الہام ربانی اور اشارۂ غیبی سے سر الٰہی اور مرضی مولیٰ کا انکشاف روایات منتخبہ کے حق میں تائید و تقویت اور مزید طمانیت قلب کا باعث ہو جائے۔

علاوہ ازیں بخاری نے اس مقدس کتاب کی تصنیف و ترتیب میں حدیث پاک کی غایت درجہ تعظیم و تقدیس کا جو عجیب نمونہ پیش کیا ہے وہ بھی عدیم المثال ہے۔ انھوں نے اس مقدس کتاب کی تصنیف اور اس کے ابواب کی ترتیب کا آغاز مسجد حرام سے کیا، نبی اکرم ﷺ کی قبر اطہر اور آپ کے منبر مبارک کے درمیان بیٹھ کر اس کے تراجم کو مبیّضہ کی شکل میں تبدیل فرمایا، اور ہر ہر ترجمہ پر دو رکعت نفل نماز ادا، کی پھر ترجمہ کے تحت جب حدیث لکھنا ہوا تو ہر حدیث کو لکھنے سے قبل غسل فرمایا اور دو رکعت نماز پڑھی۔ بخاری شریف میں کل سات ہزار تین سو ستانوے حدیثیں ہیں جیسا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے: "(قلت) فجمیع احادیثه بالمکرر سوی المعلقات والمتابعات علی ماحررته و اتقنته سبعة آلاف

وثلثمائة وسبعة و تسعون حديثاً." (ہدی الساری ص ۸۶۴)

اس حساب سے بخاری نے گویا چودہ ہزار سات سو چورانوے رکعات نفل پڑھ کر اس کتاب مقدس کو قلمبند کیا ہے، اور ہر ترجمۃ الباب پر جو دو رکعتیں پڑھتے تھے ان کا شمار الگ ہے۔

انھیں امور مذکورہ بالا کی رعایت کے ساتھ لاکھوں متداول حدیثوں سے چن کر سولہ سال کی مدت میں بخاری نے خالص صحیح حدیثوں کے اس مجموعہ کو مرتب کیا ہے، اور اس کا نام "المسند الصحيح الجامع المختصر من امور رسول الله ﷺ وسننه و ايامه" رکھا ہے۔ جو آج صحیح بخاری شریف کے نام سے مشہور ہے۔ کتاب اپنی گونا گوں خصوصیات اور اپنے مؤلف کے غایت اخلاص کی وجہ سے امت مسلمہ میں ایسی مقبول ہوئی کہ زمین کے مشرق و مغرب اور بر و بحر سے کشاں کشاں جوق در جوق علم حدیث کے شیدائی اس کے سماع کے لئے آنے لگے۔ انسانی تالیفات میں شاید یہ دنیا کی واحد کتاب ہے جس کو اس کے مؤلف سے نوے ہزار اہل علم اور محدثین نے سنا اور راویت کیا، اور ان سے ایک نسل کے بعد دوسری نسل ہزاروں اور لاکھوں کی تعداد میں نقل و روایت کرتی رہی اور یہی کتاب بالآخر "اصح الكتب بعد كتاب الله" کے معزز خطاب کی مستحق قرار پائی، علماء نے اس استحقاق کو بجا تسلیم کیا اور کلام اللہ کے بعد جگہ دی۔

چنانچہ مورخ اسلام حافظ کبیر امام ذہبی فرماتے ہیں:

"وأماجامع البخاري الصحيح فاجل كتب الاسلام و افضلها بعد كتاب الله"

(امام بخاری کی جامع صحیح کتاب اللہ کے بعد تمام اسلامی کتابوں میں سب سے افضل اور سب سے زیادہ باعظمت کتاب ہے۔)

(مقدمه لامع الدراری بحواله تاريخ الاسلام للذهبی)

علامہ ابن عابدین شامی صاحب ردالمحتار شارح الدرالمختار فرماتے ہیں:

"وكتابه أصح الكتاب بعد كتاب الله ذى الجلال واصح من صحيح مسلم على أصح الأقوال."

(صحیح بخاری کتاب اللہ کے بعد اصح الکتب ہے اور صحیح مسلم سے اس کا اصح اور بلند پایہ ہونا یہی صحیح قول ہے۔)

(سيرة البخاری ص ۱۷۷، بحواله عقود اللآلی فی مسند العوالی مطبوعه مصر)

علامہ عینی حنفی شارح بخاری لکھتے ہیں:

"إتفق علماء الشرق والغرب على انه ليس بعد كتاب الله اصح من صحيحی البخاری ومسلم."

(تمام دنیا کے علماء اس بات پر متفق ہیں کہ خدا کی کتاب کے بعد صحیح بخاری ومسلم سے بڑھ کر کوئی کتاب نہیں۔) (عمدۃ القاری ص ۵ ج ۱)

نیز علامہ عینی فرماتے ہیں:

"قد أطبق على قبوله بلا خلاف علماء الأسلاف و الأخلاف."

(علماء متقدمین ومتاخرین صحیح بخاری کی مقبولیت پر متفق ہیں۔) (عمدۃ القاری ص ۲ ج ۱)

شارح بخاری حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

"ورزق بحسن نيته السعادة فيما جمع حتى أذعن له المخالف والموافق وتلقىٰ كلامه فى التصحيح المطاوع والمفارق"

(بخاری نے جامع صحیح کا مجموعہ تیار کیا اس میں انہیں منجانب اللہ ایسی خوش نصیبی عطا کی گئی کہ مخالف وموافق سب ان کے سامنے جھکے اور احادیث کی تصحیح کے سلسلہ میں سب نے ان کے کلام کو تسلیم کیا، اور ان کو یہ مقام ان کے حسن نیت کی وجہ سے ملا۔) (ہدی الساری ص ۳)

صاحب جامع الاصول بخاری ومسلم اور ان کی صحیحین کے متعلق رقمطراز ہیں:

"وسمّيا كتابيهما الصحيح من الحديث واطلقا هٰذا الاسم عليهما وهما اول من سمىٰ كتابه ذٰلك ولقد صدقا فيما قالا و برا فيما زعما ولذٰلك رزقهما الله من حسن القبول فى شرق الارض و غربها و برها و بحرها و التصديق لقولهما والانقياد لسماع كتابيهما ما هو ظاهر مستغن عن البيان وما ذٰلك الا

لصدق النية وخلوص الطوية وصحة ما او دعا كتابيهما من الاحاديث."
(اوران دونوں حضرات (بخاری ومسلم) نے اپنی اپنی کتاب کا نام "صحیح" رکھا اور اپنی کتابوں پر صحیح کے نام کا اطلاق کیا۔ یہ دونوں بزرگ اپنی کتاب کو صحیح کے نام سے موسوم کرنے میں سب سے پہلے ہیں، بخدا یہ دونوں حضرات اپنی بات میں سچے ٹھہرے اور اپنے دعوے میں پورے اترے، اسی لئے اللہ نے ان دونوں کو زمین کے مشرق ومغرب اور بر و بحر میں جو حسن قبول عطا فرمایا، ان کے فیصلوں کو جو تصدیق وتائید مرحمت فرمائی اور ان کی کتابوں کے سماع کے لئے کشاں کشاں چلے آنے کا جو جذبہ عطا فرمایا وہ ظاہر و باہر ہے، اور اس کا سبب ان کی صدق نیت، خلوص قلب اور ان کی کتابوں میں ودیعت کردہ احادیث کی صحت کے سوا اور کچھ بھی نہیں۔)

(مقدمہ جامع الاصول ص ۴۱)

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:

"اجمع على قبوله و صحة ما فيه اهل الاسلام."
(بخاری شریف کی مقبولیت اور اس کی تمام حدیثوں کی صحت پر اہل اسلام کا اجماع ہے۔)

(البدایۃ والنہایۃ ص ۲۴ ج ۱۱)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں:

"أما الصحيحان فقد اتفق المحدثون علىٰ ان جميع مافيهما من المتصل المرفوع صحيح بالقطع و انهما متواتران الىٰ مصنفيهما و انه كل من يهون امرهما فهو مبتدع متبع غير سبيل المومنين."
(صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے بارے میں محدثین متفق ہیں کہ ان میں تمام متصل مرفوع احادیث یقیناً صحیح ہیں، اور یہ دونوں کتابیں اپنے مصنفین تک بالتواتر پہونچتی ہیں جو ان کی عظمت نہ کرے وہ مبتدع ہے، اور مسلمانوں کی راہ کے خلاف چلنے والا ہے۔) (حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۳۴ ج ۱)

شارح مشکوۃ ملا علی قاری لکھتے ہیں:

"فلما كمله عرضه على مشايخه مثل اسحٰق بن راهويه و علي بن

المدینی واحمد بن حنبل و یحیٰی بن معین وغیرھم استحسنوہ و شھدوا بصحۃ کتابہ و انہ لا نظیر لہ فی بابہ و استثنوا اربعۃ احادیث و توقفوا فی صحتھا. قال العقیلی: والحق مع البخاری فیھا ایضا فانھا صحیحۃ۔"

(امام بخاری نے اپنی ''الصحیح'' کو جب مکمل کرلیا تو (نظر ثانی کے لئے) اپنے مشائخ مثلاً اسحٰق بن راہویہ، علی بن مدینی، احمد بن حنبل، یحیٰی بن معین وغیرہم کے سامنے اسے پیش فرمایا (کتاب دیکھ کر) سب نے اس کی تحسین فرمائی، اس کی تمام کی تمام حدیثوں کی صحت کی گواہی دی، اور کہا کہ یہ کتاب اپنے باب میں ایک بے نظیر کتاب ہے۔ ہاں ان مشائخ نے اس کی چار حدیثوں کا کیایاء کے ساتھ اس طرح مستعمل ہے؟ کیا اور ان کی صحت کے بارے میں توقف فرمایا۔ محدث عقیلی نے کہا: جن حدیثوں کی صحت کے بارے میں ان حضرات کو توقف ہوا وہ بھی صحیح ہی ہیں اور حق ان کی تصحیح کے سلسلہ میں بخاری کے ساتھ ہے۔) (مرقاۃ المفاتیح ص ۱۵ ج ۱)

صاحب سیرۃ البخاری لکھتے ہیں:

''صحیح بخاری کو اہل اسلام نے اصح الکتب کا خطاب بہت کچھ جانچ پرتال کرنے کے بعد دیا ہے، علی بن مدینی، امام احمد بن حنبل، یحیٰی بن معین اور ان کے معاصرین اس کے اول ناقد ہیں، صحیح بخاری کی تصنیف کے بعد جماعت محدثین صدیوں تک اس کی تنقید کرتی رہی اور ایک ایک حدیث اس کی جانچی گئی۔ (تہذیب الاسماء واللغات، مقدمہ فتح، طبقات کبریٰ)

مزید لکھتے ہیں:

''امام دارقطنی بڑے پایہ کے ناقد حدیث تسلیم کئے گئے ہیں۔ انھوں نے صحیح بخاری کو بلا تقلید احدے حرفاً حرفاً جانچا اور بلا تردد دل کھول کر لیکن دیانت سے جو جو شکوک ان کے ذہن میں آئے سب کو رسالہ کی صورت میں جمع کیا، خواہ وہ شکوک متن سے لگاؤ رکھتے ہوں یا سلسلہ اسناد سے یا راویوں سے۔''

حافظ ابن حجر نے ان تمام شکوک کو ''ہدی الساری'' میں نقل کیا ہے اور ان تمام کا حل کیا ہے۔ اور بہت ہی انصاف سے کام لیا ہے۔ رواۃ پر جو شکوک تھے ان کے جواب کے لئے علیحدہ

فصل قائم کی ہے۔اور جو سلسلۂ اسانید یا متن حدیث پر تھے ان کے جواب کے لئے الگ۔اس طرح امام دار قطنی کے جس قدر شکوک تھے سب صاف ہو گئے۔کیونکہ ان کے شکوک کی بنا کچھ تو عدم واقفیت پر تھی کچھ تشدد پر، کچھ ان اصول کی عدم پابندی پر جو محدثین نے قائم کئے ہیں۔ حافظ ابن حجر کے علاوہ علامہ عینی نے ان شکوک پر خاص توجہ کی ہے اور اس کے لئے انھوں نے کوئی مستقل کتاب یا مستقل فصل اور باب تو نہیں قائم کئے لیکن جب صحیح بخاری میں وہ مقام آ گیا ہے جو دار قطنی کے شکوک سے تعلق رکھتا ہے تو اس کو اعلیٰ عنوان سے رفع کیا ہے۔"

(سیرۃ البخاری ص ۲۲۸-۲۲۷)

صحیح بخاری کی احادیث منتقدہ کے بارے میں شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

"جمهور ما انكر على البخارى مما صححه، يكون قوله راجحا على قول من نازعه."

(ان تمام احادیث منتقدہ میں جن کی بخاری نے تصحیح کی ہے۔ بخاری کا فیصلہ ان کے ناقدین کے فیصلہ پر بھاری ہے۔)

(حاشیہ مقدمہ اعلاء السنن ص ۲۸۸ ج ۱ از حضرۃ الاستاذ عبد الفتاح ابوغدہؒ بحوالہ "قاعدۃ جلیلۃ فی التوسل والوسیلۃ" ص ۸۶ و مجموع الفتاویٰ ۱/۲۵۶ لابن تیمیہؒ)

محدث الدیار المصریہ علامہ شیخ احمد شاکر "الفیۃ السیوطی" کے حاشیہ میں لکھتے ہیں:

"الحق الذى لامرية فيه عند اهل العلم بالحديث من المحققين، و ممن اهتدى بهديهم و تبعهم على بصيرة من الامر: أن احاديث الصحيحين صحيحة كلها، ليس فى واحد منها مطعن او ضعف، و انما انتقدالدار قطنى وغيره من الحفاظ بعض الاحاديث على معنىٰ ان من ما انتقدوه لم يبلغ فى الصحة الدرجة العليا التى التزمها كل واحد منهما فى كتابه، واما صحة الحديث فى نفسه فلم يخالف احد فيها." (الفية السيوطى ص ۱۰)

(صحیحین کی تمام حدیثیں صحیح ہیں، ان میں سے کوئی ایک حدیث بھی مطعون یا ضعیف نہیں

ہے، یہ وہ حق بات ہے جس میں حدیث کے علمائے محققین اور ان کے متبعین کو ذرا بھی شک نہیں ہے، دار قطنی وغیرہ حفاظ حدیث نے صحیحین کی بعض احادیث پر جو نقد کیا ہے وہ اس معنیٰ پر محمول ہے کہ وہ احادیث منتقدہ صحت کے اس اعلیٰ درجہ کو پہونچی ہوئی نہیں ہیں جس کا التزام شیخین میں سے ہر ایک نے اپنی کتاب میں کیا ہے۔ جہاں تک حدیث کی نفس صحت کا معاملہ ہے اس میں کسی بھی شخص نے اختلاف نہیں کیا ہے۔)

شیخ احمد محمد شاکر نے جو حق بات کہی ہے اس کی مکمل تائید علامہ محیی الدین نووی کی اس بات سے ہوتی ہے جو انھوں نے اپنی شرح صحیح مسلم کے مقدمہ میں لکھی ہے:

"وھو ھٰذا قد استدرک جماعة علی البخاری و مسلم احادیث أخلا بشرطیھما فیھا و نزلت عن درجة ما التزماہ."

(ایک جماعت نے بخاری اور مسلم پر چند ایسی حدیثوں کا استدراک کیا ہے جن میں ان دونوں حضرات نے اپنی شرط پوری نہیں کی، اور وہ احادیث صحت کے اس اعلیٰ درجہ سے فرو ہیں جس کا ان دونوں نے التزام کیا ہے۔) (مقدمہ نووی ص ۶۱)

"السنة و مکانتھا فی التشریع الاسلامی" کے جلیل القدر مؤلف ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی جو عالم اسلام کے محقق عالم ہیں بخاری کی شروط دقیقہ پر کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وبھٰذا کان اول کتاب فی السنة علی ھٰذہ الشروط الدقیقة، تجرد من الاحادیث الضعیفة والحسنة، و اقتصر علی الاحادیث الصحیحة."

(ان شروط دقیقہ پر حدیث کی یہ پہلی کتاب ہے جو احادیث ضعیفہ و حسنہ سے خالی اور صرف احادیث صحیحہ پر مشتمل ہے۔)

مزید لکھتے ہیں:

"ومن راجع ھٰذہ الاحادیث التی انتقدت و طالع النقد الذی وجه الیھا، وجد ان ھٰذا النقد لایمس جوھر الصحیح، وانما ھو نقد شکلی ناشئ عن شدة حذر العلماء و یقظتھم."

(اور جو شخص ان تنقید شدہ احادیث کا مراجعہ کرے اور ان پر کئے گئے نقد کا مطالعہ کرے تو اسے پتہ چلے گا کہ یہ نقد صحیح کی روح کو متاثر نہیں کرتا، فی الواقع یہ ایک طرح کا شکلی نقد ہے جو علماء کی غایت احتیاط وتیقظ سے پیدا ہوا ہے۔) (السنۃ ومکانتہا ص۴۴۶)

صحیحین کی جن احادیث پر حفاظ حدیث نے نقد واعتراض کیا ہے ان کا تفصیلی جواب تو حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے دیا ہی ہے جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں، لیکن ان کا ایک مختصر اصولی واجمالی جواب بھی دیا ہے جو یاد رکھنے کے قابل ہے، بالخصوص علم حدیث کے طالب کے لئے تو اس کا حفظ از قبیل واجبات ہے، موصوف لکھتے ہیں:

"فاذا عرف و تقرر انهما لا يخرجان من الحديث الا مالا علة لهٗ، او له علة الا انها غير مؤثرة عندهما فبتقدير توجيه كلام من انتقد عليهما يكون قوله معارضا لتصحيحهما ولا ريب في تقديمهما في ذلك على غير هما فيندفع الاعتراض من حيث الجملة."

(جب شیخین یعنی بخاری ومسلم کے بارے میں یہ بات معروف ہے اور پایۂ ثبوت کو پہونچی ہوئی ہے کہ یہ حضرات اپنی صحیحین میں بالاسناد صرف وہی حدیث ذکر کرتے ہیں جس میں (ضعف کی) کوئی علت ہوتی ہی نہیں، یا ہوتی تو ہے لیکن وہ علت ان حضرات کی نظر میں حدیث کی صحت کو متاثر کرنے والی نہیں ہوتی، جب ایسا ہے تو ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں بالفرض اگر ناقدین کے نقد واعتراض کو تسلیم بھی کرلیا جائے تو بیش از بیش یہی ناہوگا کہ بخاری و مسلم نے جن حدیثوں کو صحیح قرار دیا ہے ناقد کو ان سے اس سلسلہ میں اختلاف ہے، اور ایسی صورت میں (یعنی بصورت اختلاف) بلاتردد اور بدون کسی ادنیٰ شک وشبہہ کے حدیث کی تصحیح کے سلسلہ میں انھیں دونوں بزرگوں کا فیصلہ مقدم مانا جائے گا۔ (یعنی اعتراض ونقد کے باوجود بھی حدیث کو ضعیف نہیں کہا جائے گا بلکہ اس کو صحیح ہی سمجھا جائے گا) اور اس طرح من حیث الاجمال اعتراض ختم ہوجائے گا۔) (ہدی ص۳۴۵)

اسی طرح حافظ نے "ہدی الساری مقدمہ فتح الباری" کی فصل تاسع میں صحیح بخاری کے

ان راویوں کا بھی تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے جن پر طعن و اعتراض کیا گیا ہے، اور تفصیل سے پہلے یہاں بھی ایسے رُواۃ کی تعدیل کے سلسلہ میں حافظ نے ایک مختصر اصولی بات لکھ دی ہے تا کہ یاد رہے، اور جال بخاری پر طعن کو دیکھ کر علم حدیث کا کوئی طالب علم بخاری شریف کی کسی حدیث کے بارے میں کبھی اس وسوسہ میں مبتلا نہ ہو جائے کہ وہ ضعیف ہے۔ **فجزاہ اللہ عنا و عن جمیع المسلمین خیر الجزاء** - لکھتے ہیں:

"وقبل الخوض فیہ ینبغی لکل منصف ان یعلم ان تخریج صاحب الصحیح لأیِّ راو کان مقتض لعدالتہ عندہ و صحۃ ضبطہ و عدم غفلتہ و لا سیما ما انضاف الیٰ ذٰلک من اطباق جمہور الأئمۃ علی تسمیۃ الکتابین بالصحیحین وھٰذا معنی لم یحصل لغیر من خرج عنہ فی الصحیح فھو بمثابۃ اطباق الجمہور علی تعدیل من ذکر فیھما و ھٰذا اذا خرج لہ فی الاصول."

(اس امر میں بحث و گفتگو سے قبل ہر منصف (انصاف پسند) کے علم میں اتنی بات ضرور رہنی چاہئے کہ مؤلف "الصحیح" کا کسی راوی سے بالاسناد حدیث نقل کرنا اس بات کو مستلزم ہوتا ہے کہ وہ راوی مؤلف کے نزدیک عدالت، صحت ضبط و عدم غفلت کے ساتھ متصف ہے، بالخصوص جب اس میں یہ بات بھی شامل کر لی جائے کہ جمہور ائمہ حدیث ان دونوں کتابوں (بخاری و مسلم) کو صحیحین کے لقب سے موسوم کرنے پر متفق الرای ہیں تو اس کا مطلب ہو جاتا ہے کہ گویا صحیحین میں مذکور تمام راویوں کی تعدیل پر جمہور ائمہ متفق ہیں۔ واضح ہو کہ یہ مقام صحیحین کے صرف ان رواۃ کا ہے جن سے ان کے مؤلفین نے اصالۃً حدیثیں لی ہیں نہ کہ ان کے غیر کا) (ہدی الساری ص ۳۸۱)

محدث کبیر حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ جن کی پوری زندگی علم حدیث ہی کے ساتھ اشتغال میں گذری، اور جنھوں نے اس علم کی بیش بہا محدثانہ ومحققانہ خدمات انجام دیں، جو عرب وعجم کے حضرات اہل علم اور بالغ نظر محققین سے مخفی نہیں۔ انھوں نے مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں تقریباً نصف صدی تک بخاری شریف کا مثالی

درس دیا ہے۔ اللہ نے ان کو اس کتاب سے عشق اور اس کے علوم ومعارف نیز اس کے رجال و رواۃ کے اندر جو گہری بصیرت عطا فرمائی تھی وہ محتاج بیان نہیں۔ ''لامع الدراری'' پر ان کے حواشی اور اس پر ان کا مقدمہ نیز ان کے درس بخاری کی تقریروں کا مستند مجموعہ جو اردو زبان میں شائع کیا گیا ہے۔ یہ سب بخاری شریف میں ان کی خداداد فہم اور بالغ نظری پر شاہد عدل ہیں۔

موصوف صحیح بخاری شریف کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

''اور صحیح اس وجہ سے فرمایا کہ اس کے اندر احادیث صحیحہ ہی کا ذخیرہ مذکور ہے اور کوئی راوی اس کے اندر ضعیف نہیں ہے۔'' (تقریر بخاری شریف اردو جلد اول)

حضرت شیخ نے جو بات ارشاد فرمائی ہے وہ جمہور محدثین ونقاد حدیث کی تصریحات کے عین مطابق ہے جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں۔ اور ہمارے اکابر میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ''حجۃ اللہ البالغہ'' میں، حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اپنے رسالہ ''عجالہ نافعہ'' اور ''ما یجب حفظہ للناظر'' میں، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی ''الاجوبۃ الکاملہ'' میں، اور حضرت علامہ انور شاہ کشمیری اپنی تقریر بخاری میں جو ''فیض الباری'' کے نام سے موسوم ہے اسی کی صراحت فرما گئے ہیں، لیکن افسوس کہ مذکورہ بالا کھلی اور واضح شہادتوں کے بعد بھی ایک مولوی صاحب دعویٰ کر ہی بیٹھے کہ بخاری میں ضعیف حدیثیں ہیں، یہ مولوی صاحب ہیں، مولانا عبداللہ معروفی، دارالعلوم دیوبند میں شعبۂ تخصص فی الحدیث کے رکن تدریس، انھوں نے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''مجموعہ فضائل اعمال'' پر اعتراضات کے دفاع میں ایک مضمون ''مجموعہ فضائل اعمال پر ناقدین کے اعتراضات، ایک اصولی جائزہ'' کے عنوان سے لکھا ہے۔ اسی کے ضمن میں جوش میں آ کر مذکورہ دعویٰ کر گئے ہیں، بلفظ دیگر بخاری شریف پر حملہ کر گئے ہیں لیکن یہ حملہ بخاری پر نہیں خود اپنے ہی اوپر ہے۔ ع

حملہ بر خود می کنی اے سادہ مرد　　ہمچو آں شیرے کہ بر خود حملہ کرد

بخاری کا معاملہ تو یہ ہے جیسا کہ کہا گیا ہے۔ ع

داغ دل چمکیں گے بن کر آفتاب　　لاکھ ان پر خاک ڈالی جائے گی

مولوی صاحب کا مضمون جامعہ اسلامیہ بنارس سے شائع ہونے والے مجلّہ ترجمان الاسلام میں طبع ہوا ہے، پورے مضمون کے لئے مجلّہ کا انسٹھواں شمارہ (بابت ماہ جولائی، اگست، ستمبر) دیکھا جاسکتا ہے۔ اب ہم مضمون کا وہ حصہ نقل کررہے ہیں جس میں بخاری شریف میں ضعیف حدیثیں ہونے کا دعویٰ کیا گیا ہے تاکہ اہل علم دیکھیں کہ موصوف کہاں تک اپنے دعویٰ میں سچے ہیں۔

مولوی صاحب نے اپنے مضمون کے ذیلی عنوان ''صحیح بخاری میں ضعیف حدیث'' کے تحت جن حدیثوں کو ذکر کیا ہے اور جن کو وہ اپنے زعم میں ضعیف سمجھتے ہیں، ان میں سے پہلی حدیث ''**کن فی الدنیا کانک غریب**'' ہے۔

یہ حدیث بخاری شریف کی کتاب الرقاق میں مذکور ہے۔ بخاری نے اس حدیث کو اپنے استاذ علی بن عبداللہ المدینی سے لیا ہے۔ جو اپنے ہم عصروں میں باتفاق محدثین، علل حدیث کے سب سے بڑے عالم تھے، اور انھوں نے اس حدیث کو لیا ہے محمد بن عبدالرحمٰن ابوالمنذر الطفاوی سے۔ ان کے بارے میں حافظ نے مقدمہ فتح الباری ص ۴۴۰ میں لکھا ہے:

''**من شیوخ أحمد بن حنبل، وثقه ابن المدینی و قال: أبوحاتم صدوق إلا أنه یهم أحیاناً، وقال: ابن معین لابأس به، وقال: أبوزرعه منکر الحدیث، و أورد له ابن عدی عدة أحادیث وقال إنه لا بأس به**'' انتهیٰ.

(محمد بن عبدالرحمٰن ابوالمنذر الطفاوی امام احمد بن حنبل کے مشائخ میں سے ہیں، علی بن مدینی نے ان کی توثیق کی ہے، ابوحاتم نے کہا وہ بہت سچے ہیں الا یہ کہ کبھی بھول بھی ان سے ہوتی ہے، کہا ابن معین نے لاباس به (یعنی وہ ثقہ ہیں) اور کہا ابوزرعۃ نے وہ منکرالحدیث ہیں (یعنی ان کی حدیثیں منفرد اور غریب ہوا کرتی ہیں) ان کے بارے میں ابن عدی نے بھی ''لا باس به'' کہا ہے۔) انتھی

احقر عرض کرتا ہے کہ کسی راوی کا شیوخ احمد میں سے ہونا یہ اس کے ثقہ ہونے کی دلیل ہے۔

(دیکھئے مقدمہ اعلاء السنن ۱/۱۳۳)

حافظ ہیثمی نے مجمع الزوائد جلد اول ص ۸۰ میں لکھا ہے، "شیوخه ثقات" امام احمد کے سب شیوخ ثقہ ہیں، مزید برآں بخاری شریف میں امام بخاری کا ان کی روایت سے استدلال کرنا یہ بھی ان کے ثقہ ہونے کی دلیل ہے۔ پھر بخاری نے اپنی "تاریخ کبیر" میں ان کا ذکر کیا ہے۔ لیکن ان پر کوئی طعن ذکر نہیں کیا ہے یہ بھی ان کے ثقہ ہونے کی دلیل ہے۔ ابوالبرکات ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

"کل من ذکره البخاری فی تواریخه ولم یطعن فیه فهو ثقة" کذا فی نیل الاوطار.

(جن رواۃ حدیث کا بخاری نے اپنی تواریخ میں ذکر کیا ہے اوران پر کوئی طعن نہیں کیا ہے وہ سب ثقہ ہیں جیسا کہ نیل الاوطار میں ہے)　(مقدمہ اعلاء السنن جلد اول ص ۱۳۶)

اب بتایئے! جس راوی کے بارے میں اتنے شواہد توثیق کے ہوں اس کو ضعیف کہنا کتنا بڑا ظلم ہے۔

مولوی صاحب نے حدیث کو ضعیف ثابت کرنے کے لئے مذکورہ راوی کے بارے میں حافظ نے جو توثیق و تمتین کے کلمات لکھے تھے ان سب کو حذف کر دیا تا کہ قارئین کو دھوکہ دے سکیں۔ حالانکہ ایسا کرنا حضرات محدثین کے نزدیک زبردست علمی خیانت اور نہایت بری بات ہے۔ مقدمہ اعلاء السنن میں ہے:

"فالاقتصار علی ذکر التضعیف والسکوت عن التوثیق عیب شدید."

(کسی راوی کے بارے میں صرف تضعیف کا ذکر کرنا اور توثیق سے سکوت اختیار کرنا بہت عیب کی بات ہے۔)　(مقدمہ اعلاء السنن ۱/۱۷۲)

اب رہا گیا ابوزرعہ کا ان کو منکر الحدیث کہنا تو یہ جرح بھی از روئے اصول حدیث راوی کی روایت کے لئے کچھ مضر نہیں ہے، اس لئے علمائے اصول حدیث نے صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ:

"قولهم منکر الحدیث ونحوه لا یوثر فی روایة الراوی الا اذا لم یتابع

علی روایته.''

(منکر الحدیث اور اس کے مانند کلمات کے ذریعہ جرح، راوی کی روایت پر اثر انداز نہیں ہوتی الا یہ کہ روایت پر تائید ومتابعت نہ پائی جائے۔) (قواعد علوم الحدیث ا/۲۴۷)

اور یہاں زیر بحث حدیث میں تائید ومتابعت موجود ہے۔ پھر تفرد کہاں رہا؟ حافظ لکھتے ہیں:

''ثم وجدت لهٔ متابعا فی نوادر الاصول للحکیم الترمذی من طریق مالک بن سعیر عن الأعمس. واللہ اعلم''

(کہ ''میں نے پہلے ''قد تفرد به الطفاوی'' لکھا تھا۔ یعنی طفاوی اس روایت میں منفرد ہیں، لیکن پھر بعد میں'' مجھے حدیث مذکور کے اندر طفاوی کا متابع مل گیا۔ اس لئے کہ حکیم ترمذی نے اپنی ''نوادر الاصول'' میں اس حدیث کو مالک بن سعیر عن الاعمش کے طریق سے ذکر کیا ہے۔) (ہدی الساری ص ۴۴۰)

مولوی صاحب نے حافظ ابن حجر کے جس ''مقدمہ فتح الباری'' کا حوالہ دیا ہے، اسی میں ''وهٰذا قد تفرد به الطفاوی'' کے ساتھ متابعت کا بھی ذکر ہے، پھر تعجب ہوتا ہے کہ اس کا کتمان کیوں اور کس مصلحت سے کیا گیا؟ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ مولوی صاحب موصوف نقل میں کتنے ثقہ اور معتبر ہیں؟ اب احقر ذرا ترقی کر کے کہتا ہے کہ اگر یہاں متابعت نہ ہوتی تب بھی امام زرعہ کا طفاوی کو منکر الحدیث کہنا ذرا بھی مضر نہیں تھا، اس لئے کہ ابن معین نے طفاوی کی توثیق کی ہے، اور قاعدہ ہے کہ اگر ابن معین کی توثیق کے بعد ان کے نیچے طبقہ کا کوئی حافظ حدیث راوی پر جرح کرے تو اس کی جرح کے مقابلہ میں ابن معین کی توثیق ہی راجح اور مقدم ہوگی، جیسا کہ ''قواعد فی علوم الحدیث'' میں لکھا ہوا ہے:

''وعلم من قوله ـ الحافظ ـ کیف وقد وثقه ابن معین، إن توثیقه ارجح من کلام من هو دونه و اقدم واللہ تعالیٰ اعلم.''

(''وثقه ابن معین'' فرمانے سے معلوم ہوا کہ ان کی توثیق ان سے کم رتبہ لوگوں کے کلام کی بہ نسبت ارجح واقدم ہوگی۔) (قواعد فی علوم الحدیث للتهانوی ص ۲۶۷)

اور اہل علم بخوبی جانتے ہیں کہ ابوزرعہ یحییٰ بن معین کے تلامذہ میں سے ہیں اور طبقۂ تاسعہ کے حفاظ حدیث میں شمار ہوتے ہیں، جب کہ حضرت یحییٰ بن معین طبقۂ ثامنہ کے حفاظ حدیث میں سے ہیں۔ (کما فی تذکرۃ الحفاظ ۲/۴۳۰) واضح ہو کہ ابن معین نے طفاوی کے بارے میں ''لاباس بہ'' کہا ہے اور وہ جس راوی کے بارے میں ایسا کہتے ہیں وہ ان کے نزدیک ثقہ ہوتا ہے۔ قال البدر بن جامعة فی ''مختصره'' قال ابن معين: إذا قلت: (لاباس به) فهو ثقة. (الرفع والتکمیل ص ۲۲۱)

حدیث زیر بحث کے راوی طفاوی کے بارے میں حافظ نے یہ بھی لکھا ہے:

''(قلت) له فی البخاری ثلاثه أحاديث ليس فيها شئ مما استنكره ابن عدی''

(میں کہتا ہوں کہ بخاری شریف میں ان کی تین حدیثیں ہیں ان میں ان احادیث میں سے جن کو ابن عدی نے منکر قرار دیا ہے کوئی حدیث نہیں ہے۔) (ہدی الساری ص ۴۴۰)

مولوی صاحب نے اس عبارت پر بھی غور نہیں کیا یا شاید اس کا مطلب ہی نہ سمجھ سکے کہ طفاوی کی حدیثوں کے بارے میں حافظ کیا فرما رہے ہیں۔ ان کی حدیثوں سے ضعف کو دفع کر رہے ہیں یا ان کی حدیثوں کو ضعیف قرار دے رہے ہیں؟ اب سنئے کہ حافظ اس حدیث کے صحیح ہونے کا فیصلہ دے رہے ہیں۔ فرماتے ہیں:

''فهٰذا الحديث قد تفرد به الطفاوی و هو من غرائب الصحيح''

(یہ حدیث ''الصحیح'' کی غریب و فرد حدیثوں میں سے ہے) (ہدی الساری ص ۴۴۰)

اور ''الصحیح'' کی تمام غریب حدیثیں صحیح ہوا کرتی ہیں كما لا يخفىٰ على من له ادنىٰ المام بعلم مصطلح الحديث علامہ سیوطی ''تقریب النواوی'' کی شرح ''تدریب الراوی'' جلد اول ص ۱۸۳ میں لکھتے ہیں:

''(وينقسم) ای الغريب (الىٰ صحيح) كأفراد الصحيح (و) إلى (غيره) ای غير الصحيح و هو الغالب على الغرائب''

(حدیث فرد و غریب کی دو قسمیں ہیں اول غریب صحیح مثلاً ''الصحیح'' کی تمام غریب

حدیثیں، دوم غریب غیر صحیح، اور غریب حدیثوں میں سے اکثر ایسی ہی ہوا کرتی ہیں۔ انتہی)
مزید حوالوں کے لئے دیکھئے قواعد علوم الحدیث للتھانوی ۱/۲۴، اور المنہل الروی لابن جماعہ ص ۶۲۔

واضح ہو کہ یہ بات حافظ نے تفرد کو تسلیم کرتے ہوئے کہی ہے۔ اب اس کے بعد بھی ایسی حدیث کو ضعیف کہنا علوم حدیث سے غایت درجہ بے خبری کی دلیل ہے۔ سچ ہے۔ ع

وکم من عائب قولاً صحیحاً و آفتہ من الفھم السقیم

حضرت شیخ الحدیث محدث کبیر حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ فرماتے ہیں:
''افراد وغرائب یہ دونوں ایک ہی ہیں، بعض لوگوں نے فرق بھی کیا ہے۔ غریب اس حدیث کو کہتے ہیں جس میں کسی جگہ پر رواۃ میں سے صرف ایک راوی رہ جائے۔ یاد رکھو کہ غریب کے لئے ضعیف ہونا ضروری نہیں۔ لہٰذا جب تم ''ہدایہ'' میں جابجا بلکہ ہر حدیث کے نیچے یہ لکھا ہوا دیکھو (قلت غریب) تو اس سے یہ نہ سمجھ لینا کہ یہ حدیث استدلال کے قابل نہیں۔

اور اللہ کے فضل سے بخاری شریف کی پہلی ہی حدیث ''**انما الاعمال بالنیات**'' اور آخری حدیث ''**کلمتان حبیبتان**'' دونوں غریب ہیں۔ انتہیٰ'' (تقریر بخاری شریف اردو ا/ ۵۸)

زیر بحث حدیث طفاوی کے بارے میں حافظ نے یہ بھی لکھا ہے کہ:
''**کان البخاری لم یشدد فیه لکونه من احادیث الترغیب و الترھیب**''
(گویا بخاری نے اس حدیث میں تشدد سے کام نہیں لیا ہے ''بلکہ تساہل سے کام لیا ہے'' وجہ یہ ہے کہ یہ حدیث ترغیب وترہیب کی حدیثوں میں سے ہے۔ انتہیٰ) (ہدی الساری ص ۴۴۰)

اس عبارت کا بھی صحیح مطلب مولوی صاحب نہیں سمجھ سکے اور اپنی غلط فہمی کی بنیاد پر یہ نتیجہ اخذ کر لیا کہ بخاری نے اپنی صحیح میں کچھ ضعیف حدیثیں بھی محض اس بنا پر داخل کر لی ہیں کہ ان کا مضمون ترغیب وترہیب یعنی فضائل سے ہے نہ کہ احکام سے۔ احقر عرض کرتا ہے کہ حافظ کی عبارت کا یہ مفہوم لینا سراسر غلط ہے اور **تفسیر القول بمالا یرضیٰ به القائل** کے قبیل سے ہے اس لئے کہ حافظ نے بہت واضح لفظوں میں لکھ دیا ہے کہ:

"انه لا يورد فيه الاحديثا صحيحاً هٰذا اصل موضوعه"

(بیشک وہ نہیں لاتے ہیں صحیح بخاری میں مگر حدیث صحیح ہی کو اور یہی ان کی کتاب کا اصل موضوع ہے۔) (ہدی الساری ص ٦)

اگر حافظ کی مراد وہ ہوتی جس کا اظہار مولوی صاحب نے کیا ہے تو حافظ کے کلام میں موجود استثناء کے بعد ایک استثناء اور ہوتا اور عبارت یوں ہوتی ''الا یہ کہ غیر احکام یعنی فضائل کی حدیثیں ہوں تو بخاری ان کے باب میں تساہل سے کام لیتے ہوئے ضعیف حدیثوں کو بھی داخل کتاب فرما لیتے ہیں'' لیکن جب ایسا نہیں تو مولوی صاحب کے زعم کی قطعاً گنجائش نہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ حافظ کیا کہنا چاہتے ہیں سو یہ بات حافظ کی شرح بخاری اور اس کے ''مقدمہ ہدی الساری'' کو بنظر غائر پڑھنے والوں سے مخفی نہیں ہے۔ حافظ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ بلاشبہ بخاری کی کتاب کا اصل موضوع احادیث صحیحہ ہی ہیں لیکن احادیث صحیحہ میں بھی تفاوت درجات ہے، کوئی حدیث اصح ہوتی ہے تو کوئی صحیح، اور پھر صحیح بھی دو طرح کی ہوتی ہے کوئی صحیح لذاتہ ہوتی ہے اور کوئی صحیح لغیرہ۔ تو بخاری کے تساہل کا مطلب یہ ہوا کہ بخاری حسب موقع و مقام کبھی اصح سے صحیح کی طرف اور کبھی صحیح لغیرہ کی طرف نزول فرماتے ہیں، لیکن وہ کسی مقام پر بھی ضعیف کی طرف نزول نہیں فرماتے۔ کما لا یخفیٰ. (دیکھئے مقدمہ فتح الباری فصل ثامن ص ۳۴۵، اور فتح الباری باب من خالف اذا رجع یوم العید۲/۴۷۲۔)

فائدہ: علامہ سیوطی نے ''الجامع الصغیر'' میں اور امام محمد بن عبدالباقی الزرقانی نے ''مختصر المقاصد الحسنہ'' میں حدیث مذکورہ بالا ''کن فی الدنیا کانک غریب'' کو صحیح لکھا ہے۔

☆☆☆☆☆

اب رہی دوسری حدیث جو کہ مولوی صاحب نے ''صحیح بخاری میں ضعیف حدیث'' کے عنوان کے تحت ذکر کیا ہے تو وہ بخاری شریف کتاب الجهاد کی مندرجہ ذیل حدیث ہے۔ جسے امام بخاری نے ''باب اسم الفرس و الحمار'' میں ذکر کیا ہے جو بسنده و متنه اس طرح ہے:''حدثنا علی بن عبدالله بن جعفر حدثنا معن بن عیسیٰ حدثنی ابی بن

عباس بن سهل عن ابيه عن جده قال كان للنبي ﷺ في حائطنا فرس يقال له اللحيف" اس حدیث کے راوی ابی بن عباس بن سہل بن سعد الساعدی الانصاری المدنی ہیں۔ان کے بارے میں حافظ ذہبی نے لکھا ہے کہ:"**قلت أبي و ان لم يكن بالثبت فهو حسن الحديث**"

میں کہتا ہوں گوابی ثبت و حجۃ نہیں (جو تعدیل کا اعلیٰ درجہ ہے) لیکن وہ حسن الحدیث ہیں انتہیٰ۔

(میزان الاعتدال ص ۲۷)

اسی طرح انھوں نے اپنے رسالہ میں "**من تكلم فيه و هو موثق**" (مخطوطہ) کے اندر ان کے بارے میں بعض حفاظ کی تضعیف ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے**وقواه الدار قطني** کہ حافظ دار قطنی (جو بہت بڑے نقاد حدیث ہیں) ان کو قوی قرار دیا ہے، اس کے حوالہ کے لئے "الرفع والتکمیل" کے ص ۱۸۲ میں ہمارے شیخ حضرت عبدالفتاح ابوغدہ حلبی کی تعلیق پڑھی جاسکتی ہے۔ اس رسالہ سے معلوم ہوا کہ وہ موثق تو ہیں لیکن کچھ حفاظ نے ان کو مضعف قرار دیا ہے۔ایسے راوی کو علم مصطلح الحدیث میں مضعف اور مختلف فیہ کہتے ہیں اور جو راوی ایسا ہوتا ہے اس کی حدیث ضعیف نہیں ہوتی بلکہ حسن ہوتی ہے۔ (دیکھئے تہذیب التہذیب ۵/۲۶۰ ومقدمہ اعلاء السنن ۱/۴۹)

اور حدیث حسن لذاتہ جب کسی اور طریق سے مروی ہو یعنی کسی دوسرے طریق سے اس کی تائید ہوجائے جس کو متابعت کہتے ہیں تو اس میں مزید قوت پیدا ہوجاتی ہے، پھر حسن کے درجہ سے بلند ہوکر صحیح کے درجہ تک پہونچ جاتی ہے۔**الحديث الحسن لذاته اذا روى من غير وجه ولو وجها واحداً آخر، قوى و ارتفع من درجة الحسن الى درجة الصحيح، قاله في تدريب الراوى وصرح به في شرح النخبة.** (قواعد فی علوم الحدیث ۱/۴۹)

اور اس حدیث کا حال بھی یہی ہے کہ یہ حسن لذاتہ ہے اور اس پر متابعت بھی موجود ہے، لہٰذا صحیح کے درجہ کو پہونچ کر اس قابل ہوئی کہ اسے صحیح بخاری میں جگہ ملی۔حافظ نے "مقدمہ فتح الباری" میں متابعت ذکر کی ہے۔لکھا ہے **وقد تابعه عليه اخوه عبدالمهيمن بن العباس.** اور بالتحقیق اس مذکورہ حدیث کے سلسلہ میں ابی بن عباس کی تائید کی ہے ان کے

بھائی عبدالمہیمن بن العباس نے۔ (ہدی الساری ص ۳۸۶)

اب اصول حدیث کی روشنی میں اس دوسری حدیث کی صحت میں بھی کسی شک وشبہ کی گنجائش نہ رہی، لیکن ہمارے مولوی صاحب نے اس کو ضعیف قرار دینے کی مذموم ولا حاصل سعی فرمائی ہے۔ لکھتے ہیں:

''حافظ نے ''تہذیب التہذیب'' میں مذکورہ راوی کی بابت امام احمد، نسائی، ابن معین اور امام بخاری سے تضعیف کے جملے نقل کئے ہیں۔'' انتہی

احقر عرض کرتا ہے کہ مولوی صاحب نے جو یہاں امام نسائی اور امام بخاری کی طرف تضعیف کی نسبت کی ہے یعنی یہ کہ ان دونوں اماموں نے مذکورہ راوی کو ضعیف قرار دیا ہے تو یہ تعبیر کی بہت بڑی غلطی ہے، حافظ نے تو مقدمہ میں یہ لکھا ہے **وقال النسائی لیس بالقوی**، جس کا ترجمہ یہ ہے کہ اور کہا امام نسائی نے ان کے بارے میں کہ یہ قوی نہیں ہیں۔ (مقدمہ ۳۸۶) اسی طرح حافظ نے ''تہذیب التہذیب'' میں لکھا ہے **قال البخاری لیس بالقوی**. یعنی بخاری نے ان کے بارے میں بس اتنا کہا ہے کہ یہ قوی نہیں ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ جس راوی کے بارے میں ''**لیس بالقوی**'' کہا گیا ہو وہ راوی بس اتنی بات سے ضعیف ہو جاتا ہے؟

اس کا جواب ''قواعد فی علوم الحدیث'' للتھانوی میں ہے ''**وھذا لا یلزم فیہ ضعف الراوی بالمرۃ**'' کہ اس تعبیر سے قطعاً راوی کا ضعف لازم نہیں آتا ہے۔ (قواعد ا/ ۲۴۱) بلکہ بقول حافظ یہ تلیین ہیّن یعنی خفیف تلیین ہے۔ (قواعد ص ۲۴۸)

مولوی صاحب مزید لکھتے ہیں:

''پھر حافظ نے فرمایا کہ مذکورہ حدیث پر اس کے (یعنی ابی بن عباس) کے بھائی عبدالمہیمن بن عباس نے متابعت کی ہے لیکن وہ ضعیف ہے۔'' انتہی

شاید مولوی صاحب اس بات کو نقل کر کے متابعت مذکورہ بالا کو کالعدم کرنا چاہتے ہیں حالانکہ معلوم ہونا چاہئے کہ محدثین کے نزدیک متابعت کرنے والے راوی کا ضعیف ہونا کچھ

مضر نہیں۔محدثین لکھتے ہیں:

''یغتفر فی المتابعات مالا یغتفر فی الاصول یابلفظ دیگران المتابعات قد یتحمل فیھا مالا یتحمل فی الاصول.'' (قواعد ص ۲۴۴)

مولوی صاحب نے اس کے بعد حافظ ابن حجر کی طرف منسوب کر کے ایک عبارت لکھی ہے جس میں صراحت کے ساتھ مذکور ہے حکم البخاری بصحتہ کہ بخاری نے اس حدیث کی صحت کا فیصلہ کیا ہے، لیکن مولوی صاحب اپنی نقل کردہ صریح عبارت کے خلاف حدیث کو صحیح کہنے سے گریز کر رہے ہیں، اب معلوم نہیں کہ مذکورہ عبارت کس مصلحت سے ذکر کی ہے؟ اب ہم ان کی نقل کردہ عبارت کو ذکر کر کے اس کا ترجمہ کرتے ہیں بعدہ مولوی صاحب نے جو ترجمہ کیا ہے یا ترجمانی فرمائی ہے اس کو ذکر کریں گے تاکہ اہل علم کو مولوی صاحب کی قابلیت نیز امانت علمی کا اندازہ ہو سکے۔اب عبارت ملاحظہ ہو:

''عبدالمھیمن ایضاً فیہ ضعف فاعتضد و انضاف الیٰ ذٰلک انہ لیس من احادیث الاحکام فلھٰذہ الصورۃ المجموعۃ حکم البخاری بصحتہ''

(عبدالمہیمن میں بھی ضعف ہے، (لیکن ان کی متابعت سے بھی) حدیث میں قوت آئی، پھر اس کے ساتھ یہ بات بھی ملحوظ رہی کہ حدیث مذکور احکام کی حدیثوں میں سے نہیں ہے۔پس انھیں وجوہ مذکورہ کی بنا پر بخاری نے حدیث کی صحت کا فیصلہ کیا ہے۔) انتہیٰ

اب عبارت بالا کی روشنی میں مولوی صاحب کے افادات ملاحظہ ہوں، لکھتے ہیں:

''ابی بن عباس کے ضعف کی تلافی اس کے بھائی سے اس قدر نہیں ہوسکی کہ حدیث کو صحیح کا درجہ دیا جائے تو اس خلل کو اس پہلو سے پر کیا گیا کہ حدیث احکام سے متعلق نہیں ہے اس لئے چل جائے گی۔'' انتہیٰ

کوئی مولوی صاحب سے پوچھے کہ حکم البخاری بصحتہ کس کا قول ہے، اور اس کا ترجمہ کہاں ہے اور قولہ ''اس لئے چل جائے گی'' یہ کس عبارت کا ترجمہ ہے؟ مولوی صاحب کی یہ روش نہایت افسوسناک ہے، ایک مولوی حدیث پاک کے لئے بالخصوص حدیث بخاری

کے لئے ''چل جائے گی'' کی تعبیر اختیار کرے بڑے شرم کی بات ہے۔ ع

چہ بے خبر زمقام محمد عربی است

افسوس آج ہم کہاں سے کہاں پہونچ گئے؟ اصح الکتب بعد کتاب اللہ کی حدیث کے لئے یہ تعبیر؟ انا للہ و انا الیہ راجعون، یہ سب خودساختہ محقق ومجتہد بننے کا نتیجہ ہے، سچ ہے، إنما حرموا الوصول لتضييعهم الأصول" آج ہمیں اپنے گھر ہی کی خبرنہیں، ہمارے علماء نے حدیث کی تصحیح کے کیا اصول لکھے ہیں وہ تو ہم نے پڑھے نہیں اور محقق بن گئے۔

مولانا شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں:

''ولايخفى أن صاحبى الصحيحين لم يكتفيا فى التصحيح بمجرد النظر إلى حال الراوى فى العدالة و الضبط كما يتوهمه كثير ممن لم يعن بهما ولم يكن له امعان نظر فى أصول الأثر بل ضما إلى ذٰلک النظر فى أمور اخرىٰ بمجموعها يظهر الحكم بالصحة"

(اور یہ بات مخفی نہیں رہنی چاہئے کہ امام بخاری وامام مسلم نے احادیث کی تصحیح میں صرف راوی کی حالت عدالت وضبط ہی کو پیش نظر رکھنے پر اکتفا نہیں کیا ہے۔ جیسا کہ بہت سے ایسے لوگوں کو وہم ہو گیا ہے جن کو اصول اثر میں گہری بصیرت حاصل نہیں، اور نہ ہی صحیحین کے ساتھ انھیں کوئی خاص اعتناء رہا۔ بلکہ بخاری ومسلم نے اس کے ساتھ دیگر امور بھی ملحوظ رکھے ہیں ان سب کے مجموعہ سے حدیث پر صحت کا حکم لگتا ہے۔) (مقدمہ فتح الملہم طبعہ ہندیہ ص ۹۵)

کاش ہمارے مولوی صاحب کے پیش نظر یہ بات رہی ہوتی تو وہ بخاری کی حدیث کے بارے میں ''اس لئے چل جائے گی'' کی تعبیر استعمال نہ کرتے۔

صحیح بخاری کی حدیثوں میں مولوی صاحب کو ضعف بصیرت کی بناء پر ایک تیسری حدیث بھی ضعیف نظر آئی جو سنداً ومتناً حسب ذیل ہے:

''حدثنا سليمان بن حرب حدثنا محمد بن طلحة عن طلحة عن مصعب بن سعد قال رأى سعد رضى الله عنه أن له فضلاً على من دونه فقال النبى

ﷺ هل تنصرون وترزقون إلا بضعفائكم“

(کتاب الجهاد باب من استعان بالضعفاء و الصالحين في الحرب)

اس حدیث کے راوی محمد بن طلحہ ہیں۔ حافظ ذہبی جو نقد رجال کے بہت بڑے امام ہیں ان کے حجت وسند ہونے کی مندرجہ ذیل الفاظ میں شہادت دے رہے ہیں:

”محمد بن طلحة بن مصرف عن ابيه و جماعة، صدوق، مشهور، محتج به في الصحيحين، قال ابوزرعه: صدوق“

(محمد بن طلحہ بن مصرف اپنے والد اور ایک جماعت سے حدیثیں نقل کرتے ہیں، بڑے سچے ہیں، حدیث کے مشہور راوی ہیں (ان کا یہ مقام ہے) کہ صحیحین یعنی بخاری و مسلم میں ان سے یعنی ان کی حدیثوں سے حجت پیش کی گئی ہے۔ ابوزرعہ نے ان کے بارے میں صدوق کہا ہے یعنی وہ بہت سچے ہیں۔ انتہی (میزان الاعتدال فی نقدالرجال بتحقیق علی محمد البجاوی ۵۸٦/۳)

حافظ نے بھی تقریب میں ان کو صدوق له اوهام لکھا ہے کہ وہ بہت سچے ہیں ہاں ان سے کچھ وہم ہوئے ہیں، مولوی صاحب نے اپنے مضمون میں اس عبارت کا ترجمہ ہی نہیں کیا۔ شاید انھوں نے سمجھا ہو کہ ”صدوق“ کے بعد ”له اوہام“ کہنے سے راوی ضعیف ہو جاتا ہے سو ان کو معلوم ہونا چاہئے کہ اس طرح کے تبصرہ سے راوی درجۂ ثقاہت سے گرتا نہیں ہے۔

”قولهم في الراوي له أوهام..... الخ لا ينزله عن درجة الثقة“

(دیکھئے قواعد في علوم الحديث للتهانوی ۱٦٨/۱)

حافظ ”تہذیب التہذیب“ میں لکھتے ہیں:

”قال العقيلي قال احمد ثقة، وقال العجلي ثقة، إلا أنه سمع من أبيه وهو صغير وقال بشر بن الوليد كان سيداً كريماً“

(محمد بن طلحہ کے بارے میں حافظ عقیلی نے کہا کہ امام احمد بن حنبل نے ان کو ثقہ کہا ہے، اور عجلی نے بھی کہا ہے کہ وہ ثقہ ہیں، بس اتنا ہے کہ ان کا سماع اپنے والد سے کمسنی میں ہوا ہے۔ اور بشر بن الولید نے تو یہ کہا ہے کہ وہ بزرگ اور سید القوم تھے۔)

حافظ نے محمد بن طلحہ کی ان حدیثوں کے بارے میں جنہیں انھوں نے اپنے والد سے زمانۂ کمسنی میں سن کر روایت کیا ہے حافظ کبیر ابو کامل مظفر بن مدرک کی مندرجہ ذیل شہادت نقل کی ہے کہ:

"وقد روى عن أبيه أحاديث صالحة" (بالتحقیق انھوں نے والد سے بالکل ٹھیک ٹھاک حدیثیں روایت کی ہیں۔) (تہذیب التہذیب ۹/۲۳۸)

واضح ہو کہ ابو کامل مظفر بن مدرک، امام احمد اور یحییٰ بن معین کے مشائخ میں سے ہیں، ابن معین نے ان سے فن حدیث کو حاصل کرنے کا اعتراف کیا ہے اور فرمایا ہے کہ میں نے ان کے مثل کم لوگ دیکھے ہیں، حافظ ابوخیثمہ نے فرمایا: "وہ ہمارے نزدیک وکیع بن الجراح سے کم نہیں تھے۔" (تذکرۃ الحفاظ ۱/۲۵۸)

محمد بن طلحہ کا سماع چونکہ اپنے والد سے زمانۂ کمسنی میں ہوا تھا اور ان کی کمسنی ہی کے زمانہ میں ان کے والد کا انتقال ہو گیا تھا، جس کی بنا پر کچھ لوگوں نے یہ کہہ دیا ہے کہ انھوں نے اپنے والد سے کوئی حدیث سنی ہی نہیں ہے حالانکہ یہ غلط ہے۔ چنانچہ خود امام بخاری نے اپنی مشہور کتاب "التاریخ الکبیر" کے اندر صاف لفظوں میں تحریر فرمایا ہے:

"محمد بن طلحة بن مصرف الأيامي الكوفي سمع أباهُ"

(محمد بن طلحہ بن مصرف الأیامی الکوفی نے اپنے والد سے حدیث سنی ہے۔) (التاریخ الکبیر ۱/۱۲۲)

اب ان شہادات کے بعد محمد بن طلحہ راوی کی ثقاہت اور ان کی حدیث کی صحت میں کسی طرح کے شک و شبہ کی ذرا بھی گنجائش نہیں، لیکن ہمارے مولوی صاحب نے لکھ مارا کہ امام نسائی، ابن معین، ابن سعد وغیرہ نے ان کو ضعیف کہا ہے، اور مذکورہ بالا کلمات توثیق کو بالکل نظر انداز کر دیا اس لئے اس سے متعلق بھی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے۔ سو عرض ہے کہ امام نسائی نے ان کے بارے میں "ليس بالقوى" کہا ہے جو ضعف کو مستلزم نہیں۔

"لا يلزم فيه ضعف الراوى بالمرة" (دیکھئے قواعد فی علوم الحدیث ۱/۲۴۲)

اور ابن معین کا قول ان کے بارے میں مختلف ہے ایک قول یہ ہے کہ وہ صالح ہیں، اور

ایک قول یہ ہے کہ ضعیف ہیں، تو صالح والا قول جس میں تعدیل پائی جاتی ہے وہی لیا جائے گا، اس لئے کہ راوی کے بارے میں جب ناقد کا قول جرح وتعدیل کے اعتبار سے مختلف ہوتو ترجیح تعدیل ہی والے قول کو دی جاتی ہے۔ مصطلح الحدیث کا یہی قاعدہ ہے۔

"إذا اختلف قول الناقد في الراوي جرحاً و تعديلاً فالترجيح للتعديل"

(قواعد فی علوم الحدیث ۱/۲۶۴)

محمد بن طلحہ کی تضعیف کے سلسلہ میں مولوی صاحب نے ابن سعد کے کلام سے بھی احتجاج کیا ہے حالانکہ علم حدیث کا ایک مبتدی بھی یہ جانتا ہے کہ ابن سعد اور واقدی نقد رجال کے امام نہیں ہیں، اس لئے ان کی تضعیف نا قابل التفات ہوگی، ایک موقع پر حافظ نے ابن سعد کے کلام کو کلام متہافت بھی کہا ہے۔ (قواعد فی علوم الحدیث ۱/ ۲۳۹-۲۵۹)

مولوی صاحب محمد بن طلحہ کے سلسلہ میں "مقدمۂ فتح الباری" کے حوالہ سے لکھتے ہیں، حافظ فرماتے ہیں:

"بخاری میں ان کی تین حدیثیں ہیں دو تو متابعت کی وجہ سے درجۂ صحت کو پہونچ جاتی ہیں۔ تیسری (مذکورہ بالا) حدیث ہے، اس کی روایت میں محمد بن طلحہ منفرد ہیں مگر یہ فضائل اعمال سے متعلق ہے۔ یعنی فضائل اعمال کی حدیث ہونے کی وجہ سے چشم پوشی کی گئی" انتہی

احقر عرض کرتا ہے کہ مذکورہ بالا تیسری حدیث بھی صحیح ہے، محمد بن طلحہ اس کے نقل میں منفرد نہیں ہیں، یہاں متابعت بھی موجود ہے اور شاہد بھی۔ لیکن مولوی صاحب ہی "فتح الباری شرح صحیح البخاری" کے مطالعہ سے چشم پوشی کر گئے ورنہ شاید وہ ایسا نہ لکھتے ع

تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا ورنہ گلشن میں علاج تنگی داماں بھی ہے

فتح الباری دیکھ لی جائے، حافظ نے حدیث پر بحث کرتے ہوئے متابعت بھی ذکر کی ہے اور اس کے لئے شاہد بھی پیش کیا ہے۔ متابعت کا بیان یہ ہے کہ مذکورہ حدیث کا مدار طلحہ بن مصرف پر ہے، طلحہ بن مصرف سے جس طرح ان کے صاحبزادے محمد بن طلحہ نقل کرتے ہیں جن کی حدیث بخاری شریف میں موجود ہے، اسی طرح طلحہ بن مصرف سے اس حدیث کو حضرت

مسعر بھی نقل کرتے ہیں اوران کی حدیث نسائی شریف میں موجود ہے، لہٰذا محمد بن طلحہ منفرد نہیں رہے، اور شاہد کے طور پر حافظ نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی حدیث پیش کی ہے جو مسند احمد اور نسائی میں موجود ہے۔ (فتح الباری ٦/٦٥)

اب ہم مزید بصیرت کے لئے متابعت اور شاہد دونوں کے سلسلہ میں بالترتیب سنن نسائی سے حدیث نقل کرتے ہیں۔ امام نسائی "الإستنصار بالضعيف" کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

"أخبرنا محمد بن ادريس قال حدثنا عمر بن حفص بن غياث عن ابيه عن مسعر عن طلحة بن مصرف عن مصعب بن سعد عن ابيه أنه ظن أن له فضلاً على من دونه من أصحاب النبى ﷺ فقال نبى الله ﷺ إنما ينصر الله هذه الأمة بضعيفها بدعوتهم وصلاتهم واخلاصهم. انتهىٰ

أخبرنا يحيىٰ بن عثمان قال ثنا عمر بن عبدالواحد قال ثنا ابن جابر قال حدثنى زيد بن أرطاة الفزارى عن جبير بن نفير الحضرمى أنه سمع أبا الدرداء يقول سمعت رسول الله ﷺ يقول: إبغوا الضعيف فانكم إنما ترزقون و تنصرون بضعفائكم" (نسائی کتاب الجهاد ٢/٥٣)

فائدہ: واضح ہو کہ متابعت میں دونوں راوی کے الفاظ حدیث کا یکساں ہونا شرط نہیں، معنیٰ و مفہوم حدیث میں بھی اتحاد کافی ہو جاتا ہے۔ "ولا إقتصار فيها على اللفظ بل لو جاءت بالمعنىٰ كفىٰ." (ارشاد الساری ١/٦٩)

وأكتفى بهٰذا القدر و لا حاجة بنا فى رده باكثر مما شرحنا إذ كان قدر المقالة و قائلها القدر الذى وصفنا. والله المستعان على رفع ما خالف مذهب العلماء و عليه التكلان والحمد لله وحده وصلى الله على سيدنا محمد و اله و صحبه وسلم.

قیمت	صفحات	مصنف/مرتب/مترجم	نام کتاب	نمبر
40/=	104Pg	مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری	قبے اور مزارات کی تعمیر کی شرعی حیثیت	1
32/=	96Pg	مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری	انکار حدیث حق یا باطل حیدرآباد	2
86/=	48Pg	مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری	رزم حق و باطل (روداد مناظرہ بنارس)	3
48/=	160Pg	مولانا نیاز احمد طیب پوری	محشر میں کیا ہوگا؟	4
26/=	64Pg	علامہ احسان الٰہی ظہیر	آیئے قادیانیت کو پہچانیں	5
26/=	112Pg	علامہ احسان الٰہی ظہیر	بریلوی عقائد	6
16/=	48Pg	علامہ احسان الٰہی ظہیر	بریلوی تعلیمات	7
22/=	80Pg	علامہ احسان الٰہی ظہیر	بانیٔ بریلویت کون اور کیا تھے؟	8
14/=	32Pg	علامہ احسان الٰہی ظہیر	بریلوی تعلیمات اور افسانوی حکایات	9
18/=	64Pg	علامہ احسان الٰہی ظہیر	بریلویت اور تکفیری فتوے	10
28/=	64Pg	علامہ احسان الٰہی ظہیر	کتاب الصلوٰۃ	11
75/=	208Pg	علامہ احسان الٰہی ظہیر	صحابہ وخلفاء کے بارے میں شیعہ کا موقف	12
98/=	256Pg	مولانا عبدالرؤف جھنڈانگری	حقوق و معاملات (جدید کتابت)	13
36/=	178Pg	مولانا عبدالرؤف جھنڈانگری	العلم والعلماء (جدید کتابت)	14
30/=	72Pg	مولانا عبدالرؤف جھنڈانگری	حقائق اسلام اور سائنس	15
16/=	48Pg	شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ	اتباع رسول	16
	زیر طبع	شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ	ائمہ سلف اور اتباع سنت (جدید اڈیشن)	17
18/=	48Pg	شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ	کیا اللہ تک پہونچنے کے لئے وسیلہ	18
50/=	128Pg	مولانا محفوظ الرحمٰن فیضی	مسئلہ امام مہدی آخر الزماں	19
56/=	178Pg	حافظ صلاح الدین یوسف	اسلامی معاشرت	20
18/=	48Pg	حافظ صلاح الدین یوسف	عید میلاد النبی کی شرعی حیثیت	21
32/=		حافظ صلاح الدین یوسف	یا اللہ کرمدد	22
18/=	48Pg	حافظ صلاح الدین یوسف	مروجہ قرآن خوانی اور ایصال ثواب	23
75/=	176Pg	حافظ صلاح الدین یوسف	رسومات محرم اور سانحۂ کربلا	24